دوسرے جہاں کی آوازیں

NAGUIB MAHFOUZ
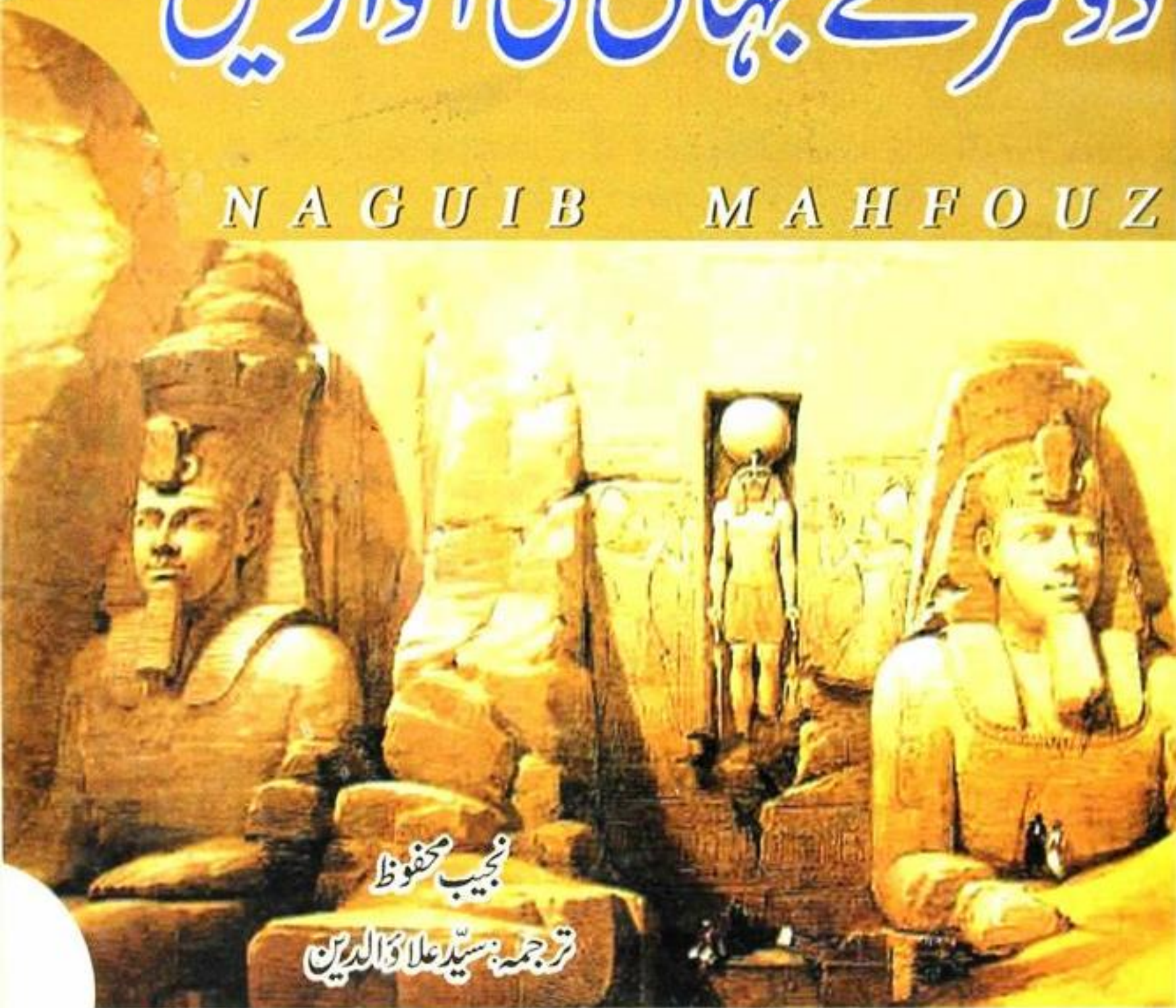
نجیب محفوظ

ترجمہ سیّد علاؤالدین

VOICES FROM THE OTHER WORLD

WINNER OF THE NOBEL PRIZE FOR LITRATURE

ادب کا نوبل انعام پانے والے نجیب محفوظ کی کتاب
Voices From The Other World کا اردو ترجمہ

دوسرے جہاں کی آوازیں
Voices From The Other World

تصنیف: نجیب محفوظ
ترجمہ: سید علاء الدین

CITY BOOK POINT
Naveed Square. Urdu Bazzar, Karachi
Ph # 021-32762483
E-Mail: citybookurdubazaar@gmail.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASSAN DEEN

ادارہ City Book Point کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیش نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : دوسرے جہان کی آوازیں
تصنیف : نجیب محفوظ
ترجمہ : سید علاء الدین
ناشر : سٹی بک پوائنٹ
تعداد : 500
اشاعت سن : 2014ء
قیمت : =/250 روپے

انتساب

والد محترم جناب سید محمد مُبین صاحب (مرحوم)

اور

والدہ محترمہ حبیبہ بانو صاحبہ (مرحومہ)

کے نام

فہرست

تعارف

یہ پانچ کہانیاں مصر کے بہت بڑے ادیب کے ذخیرۂ ادب سے لی گئی ہیں۔ نجیب محفوظ عرب دنیا کا واحد عظیم موڈرن رائٹر تھا۔ ان کہانیوں میں قدیم مصر کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کہانیوں کو نجیب محفوظ نے 1930ء اور 1940ء کے درمیان لکھا تھا جو اس کی ناول نگاری کا ابتدائی دور کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں اس نے خیالی قصوں پر مبنی تین کتابیں لکھیں جو فرعون کے قدیم دور سے متعلق تھیں جسے بعد کے طویل کام کی بنیاد بنایا گیا۔ ان میں سے چند خیالی انداز کی کہانیوں کو لگتا ہے پرانی لوک کہانیوں کو مستعار لے کر اپنے انداز میں ادب کا حصہ بنایا۔ بہرحال اس نے ان لوک کہانیوں کو اس انداز میں لکھ کر پیش کیا کہ وہ اسی کی ہوکر رہ گئیں جنہیں ادبی جریدوں میں جگہ ملی جن میں وہ تین کہانیاں بھی شامل ہیں یعنی ("Evil Adored","The Mummy Awakens" and "A Voice From the Other World") یہ کہانیاں اس کے افسانوں کی پہلی کتاب میں بھی شامل ہیں۔ بہرحال یہ کتاب کب چھپی اس کی ابھی تک تصدیق نہیں ہو پائی۔

دوسری دو کہانیاں "King Userkaf's Forgiveness" اور "The Return of Sinuhe" پرانے میگزین کے صفحات پر موجود ہیں لیکن انتہائی خستہ اور خراب حالت میں جسے نظرانداز کئے رکھا گیا ہے۔

نقاد حضرات نے بظاہر ''Sinuhe'' کے علاوہ دوسری کہانیوں کو موضوع بحث تو بنایا ہے لیکن ان کے تراجم نہیں ہو سکے (لیکن "The Mummy Awakens" 1986ء میں بہ زبان انگریزی پاکستان میں شائع ہوئی) چنانچہ وہ لوگ جو عربی زبان سے ناواقف ہیں وہ اسے پڑھ سکے۔ بہر حال آدھی صدی تک محفوظ کی پر کشش تحریروں کو نظر انداز کئے رکھا گیا۔

اس کی فرعونی دور کی کہانیوں اور دوسری میں بھی محفوظ نے تاریخی تاثرات کو اس طرح سمویا ہے کہ تصور میں سب کچھ آ جاتا ہے۔ "Evil Adored" کی کہانی کا بہر حال براہ راست کسی جانے پہچانے واقعے سے تعلق نظر نہیں آتا۔ ہاں اس کے ابتدائی کلمات میں قدیم مصر کا ذکر موجود ہے کہ کسی زمانے میں مصر دو مختار اضلاع میں تقسیم تھا جس کی گواہی قدیم مصری تاریخ سے نہیں ملتی لیکن اس سے کہانی کے حسن اور تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح دوسری کہانی ''King Userkaf's for-giveness'' تخلیق کرتے ہوئے پانچویں پشت کے حقیقی معمار کا کردار جگہوں کے نام اور لوگوں بمع Userkaf کے لڑکے اور جانشین یا وارث Sahura جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی بنیاد بھی کسی معلوم واقعے پر نہیں رکھی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یوسرکف 2513-2506 ق م کا حکمرانوں کی فہرست میں سرسری سا ذکر ہے اور محفوظ نے بھی اپنی ادبی تحریر میں اس کا اسی طرح ذکر کیا ہے۔ قدیم مصری ادب کے ایک شائق کے طور پر محفوظ نے یوسرکف کو ایک مشہور نظم سے لیا ہوگا جس کا عنوان The Teaching of Amenemhat تھا اور وہ مصری تاریخ کے درمیانی دور میں لکھی گئی تھی۔ اس نظم میں Amenemhat-1 بارہویں پشت کے بانی (1991-1962 ق م) جسے اس کے بیٹے محل کی ایک عورت اور بڑے وزیر نے سازش کے ذریعے قتل کر دیا تھا تاکہ اس کے بیٹے Senwosret-1 کو اقتدار مل سکے۔۔۔ وہ خواب میں آیا اور دردمندی سے تنبیہ کی کہ ''اپنے بھائی پر بھی اعتبار نہ کرو اور کسی کو دوست نہ سمجھو نہ کسی سے قربت بڑھاؤ۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔''

دوسری کہانی ''The Mummy Awakens'' شاید واحد حکایت ہے جسے محفوظ نے سیاسی انداز میں تحریر کی ہے۔ اٹھارہویں پشت کی ممی کو 1930ء میں پیش کیا ہے۔ ہالی وڈ نے اس وقت کے فیشن کے مطابق ممی مووی بنائی اور ممی کے کردار کی بنیاد کسی قدر ہورم ہب (Horemheb) پر رکھی جو ایک جنرل تھا اور بادشاہ اخنیتن (1372-1355 ق م) کی خدمات پر مامور تھا لیکن بعد میں خود بھی فرعون بن گیا تھا (1343-1315 ق م)۔

فرعونی دور پر محفوظ کی ادبی کاوشوں پر نظر ڈالیں تو چوتھی کہانی مصری کلاسک کا نمونہ دکھائی دے گی۔ اس کہانی کا عنوان The Tale of Sinuhe ہے۔ ''The Return of Sinuhe'' میں محفوظ نے قدیم کہانیوں کے عناصر کو بھرپور انداز میں شامل کیا ہے۔

پانچویں اور آخری کہانی میں محفوظ نے قدیم مصری دنیا کی ارواح کو مناسب انداز سے پیش کیا ہے۔ یہ کہانی ''A voice from the other world'' انتہائی حیرت انگیز ہے اور جو کم از کم تیس برسوں تک لوگوں کے ذہنوں میں ہلچل پیدا کرتی رہی، ایک طاقتور لہر جو جسم سے باہر کے تجربات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اشاعت کی دنیا پر 1970 اور 1980 کے درمیان چھائی رہی۔ یہ واقعہ یقیناً ریمیسس 1166-1198 ق م کا ہے اس کا مرکزی کردار بھی ایک نظم کا ہے۔ اسی طرح دوسرے ادوار کے مختلف حصے بھی بظاہر معقول دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں محفوظ کے بیان کردہ مقبرے، اس کی تفصیلات، دعوتوں اور مذہبی تہواروں کے قصے شامل ہیں جو مصر کی پہچان ہیں۔ چند چھوٹی چھوٹی باتوں کے علاوہ محفوظ نے حنوط کاری کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں جو نئی سلطنت میں جاری تھی۔ اس کے علاوہ انتہائی اہم بات یہ ہے کہ اس نے اس جہان کے بعد دوسرے جہان میں روح کی کیفیت کو بھرپور اور واضح انداز میں دکھایا ہے۔ یہ اس کے تصور کی طاقت ہی ہو سکتی ہے۔

ان پانچوں کہانیوں کی تخلیق نے نسیان سے بچائے رکھا جیسا کہ بہت دنوں سے کہا جا رہا تھا۔ یہی حال اس کی پہلی تینوں فرعونی پس منظر پر لکھی ہوئی ناولوں کا بھی ہے یعنی

"A bath al-aqdar (khufu's wisdom1939)", "Radubis)
"Kifah Tiba (Thebes at war 1944)" اور (Rhadopis 1943)"
یہی انداز تحریر Cairo Trilogy کا بھی ہے۔ یہ باہم مربوط تین ناولوں کا سلسلہ ہے جس
میں Palace walk, Palace of Desire اور Sugar Street شامل
ہیں۔

ریمنڈ اسٹاک

بدی کے پجاری

Evil Adored

بدی کے پجاری

عظیم وادی نیل مصر پر بادشاہت قائم ہونے سے پہلے وہ علاقہ دو خود مختار اضلاع یا انتظامی حلقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان دونوں علاقوں کے خدا، مذاہب اور خود مختاری بھی الگ الگ تھی۔ ان میں سے ایک علاقے کا نام ''خُنم'' تھا۔ جس کی زمین زرخیز، موسم اچھا اور آبادی بھرپور تھی۔ ان خصوصیات کے باوجود وہاں کے لوگ ظلم کی چکی میں پسے ہوئے، سختیوں اور آلام کا شکار تھے جب کہ دولتمند گناہ میں ڈوبے ہوئے اور کسان نان شبینہ کے محتاج تھے۔ شیطان صفت لوگوں نے پورے علاقے کو کرپشن میں ڈبو رکھا تھا۔ بیماریوں اور وبائی امراض نے مفلوک الحال اور کمزور لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ اس علاقے کے ذمہ دار لوگوں میں منصف سومر، کانسٹیبل رام اور معالج توحیب (Toheb) شامل تھے، انہوں نے اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ انہوں نے متشدد کاروائیاں کیں تاکہ جرائم ختم ہوسکیں اور اخلاقی بے راہ روی کا قلعہ قمع ہوسکے اور ان کے علاقے میں اخلاقی بلندی اور پاکبازی دور دور تک پھیل جائے۔

اسی دوران علاقے میں ایک اجنبی کا ظہور ہوا۔۔۔ ایک عمر رسیدہ نیک شخص کا، جس کا چہرہ اور سر، دونوں ہی بالوں سے پاک تھا (اور یہ مصری راہبوں کا عمومی طریقہ تھا)۔ لمبا اور دبلا پتلا جسم۔ اس کی نگاہوں میں تیزی کے تاثرات تھے اور چہرہ بڑھتی ہوئی عمر کی چغلی

کھار ہا تھا لیکن ذہانت اور عقل و شعور کی کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں۔ وہ حقیقتاً ایک عجیب و غریب، انفرادی شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے جیسے ہی آبادی میں قدم رکھا، لوگوں نے حیرت سے کہنا شروع کر دیا۔ ''یہ شخص کون ہے؟'' ۔۔۔ یہ کس ملک سے آیا ہے؟ ۔۔۔ یہ چاہتا کیا ہے؟ ۔۔۔ وہ ہر وقت چلتا کیسے رہتا ہے، جب کہ اسے پرسکون انداز میں دوسری دنیا کے سفر کا انتظار کرنا چاہئے؟''

اس کے انوکھے کردار کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ جہاں کہیں جاتا اپنے ساتھ بے چینی اور انتشار کا ایک گرداب سا پیدا کر دیتا اور جہاں کہیں سے آتا اس کے پیچھے غل غپاڑہ، بحث مباحثہ شروع ہو جاتا۔ وہ بازاروں اور معبدوں میں چکر لگاتا رہتا اور خود کو پارٹیوں میں مدعو کرتا حالانکہ اسے اپنے میزبان کا علم تک نہ ہوتا اور ان معاملات میں بھی دخل دیتا جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ شوہروں سے ان کی بیویوں کے متعلق گفتگو کرتا اور بیویوں سے ان کے شوہروں کے متعلق۔ اسی طرح باپ سے بیٹوں کی باتیں کرتا اور بیٹوں سے ان کے باپ کے متعلق۔ بڑے امراء اور شرفا کو بحث کرنے کے لئے اکساتا۔ اس کے علاوہ وہ خادموں اور غلاموں سے بھی گفتگو کیا کرتا، انہیں بیدار کرتا اور ان کے دماغ کی گہرائیوں میں اپنا طاقتور اثر چھوڑ کر ان کے شعور کو سرکشی پر آمادہ کرتا۔ اسی طرح ان کی باہمی مخالفت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی۔

اجنبی کے طریقہ کار نے رام کے دل میں خوف پیدا کر دیا جو احکامات کی پیروی کرایا کرتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے سائے کی طرح رہنے لگا تاکہ قریب سے اس پر نظر رکھ سکے۔ اس کے دل میں اجنبی کے خلاف شکوک و شبہات بھرے ہوئے تھے۔ بالآخر اس نے اجنبی کو پکڑا اور مجسٹریٹ کے پاس چلنے کا ارادہ کیا تاکہ وہ اس حیرت انگیز کیس کو دیکھ کر مناسب فیصلہ کرے۔ سومر پکی عمر کا انتہائی تجربہ کار جج تھا۔ وہ سچائی اور انصاف کے جھنڈے تلے، اس عظیم جدوجہد میں چالیس برس گزار چکا تھا۔ وہ سیکڑوں باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچا چکا

تھا اور ہزاروں بدی کے پجاریوں اور جرائم پیشہ افراد کو جیل بھیج چکا تھا۔ کیونکہ وہ علاقے کو خلوص اور اعتماد کے ساتھ امن و آتشی کے دشمنوں سے پاک کر دینا چاہتا تھا۔

لیکن جب یہ عجیب و غریب شخص اس کے سامنے لایا گیا تو اسے سخت حیرت ہوئی اور وہ الجھن کا شکار ہو گیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس گھامڑ اور بوڑھے شخص نے کیا کیا ہوگا۔ پھر اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے اس نے بھاری آواز میں سوال کیا۔

''محترم جناب آپ کا نام کیا ہے؟''

اجنبی نے کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ خاموش رہتے ہوئے اپنے سر کو اس طرح ہلایا جیسے وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ یا یہ کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا جواب دے۔

جج کو اس کی غیر معقول خاموشی پر غصہ آ گیا چنانچہ اس نے سختی سے پوچھا۔ ''تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ اپنا نام بتاؤ۔''

اجنبی شخص نے آہستہ اور مبہم انداز میں جواب دیا۔ اس کے لبوں پر غیر واضح قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ''جناب والا مجھے نہیں معلوم۔''

جج کا غصہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس نے سختی سے پوچھا۔ ''کیا تم واقعی اپنا نام نہیں جانتے؟''

''جی جناب والا۔۔۔ میں اسے بھول چکا ہوں۔''

''کیا تم سچ مچ یہ عویٰ کر رہے ہو کہ تم اپنا نام بھول چکے ہو۔۔۔ وہ نام جس کے ذریعے لوگ تمہیں مخاطب کرتے اور بلاتے ہیں؟''

''میرا نام لے کر مجھے کوئی نہیں بلاتا۔ میرے خاندان کے لوگ اور دوست احباب سب مرکھپ چکے ہیں۔ میں کافی عرصے سے اس دنیا میں گھومتا پھر رہا ہوں لیکن کبھی کوئی مجھے نام سے نہیں مخاطب کرتا۔ کوئی مجھے بلاتا ہی نہیں،۔۔۔ اور میرے ذہن میں منصوبے اور خواب کی بہتاب ہے جس کی وجہ سے میں اسے بھول چکا ہوں۔''

سومر کو بوڑھے آدمی کی کند ذہنی اور کہن سالی پر سخت غصہ آیا۔ لیکن اس نے مایوسی کے ساتھ اپنی نگاہیں احکامات کی تعمیل کرانے والے پر ڈالیں۔ ''تم اس شخص کو میری عدالت میں کیوں لائے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ ایک ایسا شخص ہے جناب۔'' رام نے جواب دیا۔ ''جو نہ تو خود آرام کرتا ہے اور نہ دوسروں کو کرنے دیتا ہے۔ وہ لوگوں پر مسلط ہو کر اچھی اور بری بحثوں کا آغاز کر دیتا ہے۔ اور ان کا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑتا جب تک کہ تفصیلی بحث اپنے انجام کو نہ پہنچ جائے۔''

جج رام کی جانب جھکا اور سوال کیا۔ ''وہ چاہتا کیا ہے، ان باتوں سے وہ کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟''

بوڑھے شخص نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ اس کی آواز میں تندی کے ساتھ لرزش تھی، جو برسوں سے ایسی زندگی گزار رہا تھا۔ بہرحال جواب دیا۔ ''میں اس خونخوار ظالم دنیا کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جناب والا۔''

جج مسکرایا اور اس سے پوچھا۔ ''کیا ہمارے پاس ایسے لوگ نہیں جو اس اچھے کام کے لئے، جب ضرورت ہو بے دریغ اپنے کو پیش کر دیتے ہوں؟ آخر جج، پولیس چیف یا ڈاکٹر وغیرہ کا کیا مصرف ہے؟ خاطر جمع رکھو بوڑھے آدمی اور آرام کرو، تم اس بڑی عمر میں اس قابل نہیں رہے کہ اس مشکل کام کا وزن اٹھا سکو۔۔۔ تم سے زیادہ اہلیت رکھنے والے لوگ اس سخت کام کے لئے موجود ہیں۔''

اجنبی نے خودسری کے ساتھ اپنا سر ہلایا اور کہا۔ ''جتنے لوگوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، وہ سب تو شروع سے موجود ہیں۔ پھر بھی وہ اس ظلم وستم کو تبدیل کرنے کے اہل نہیں ہو پائے، جس نے دنیا کی شکل بگاڑ رکھی ہے۔ ہم دنیا کے ہر حصے میں دیکھ رہے ہیں کہ بدی کے پیش رو بھی موجود ہیں اور جرائم بھی۔''

''تو کیا تم کامیاب ہو رہے ہو، جب کہ دوسری بڑی طاقتیں ناکام ہو چکی ہیں؟''

''یقیناً جناب والا۔۔۔ میرے ساتھ چلئے، میں آپ کو دکھاتا ہوں۔''

جج کے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ آئی، اس نے پھر پوچھا۔ ''تم آخر کیا طریقہ اختیار کرتے ہو جو دوسرے لوگ نہیں کرتے؟''

''مائی لارڈ، وہ غلط کاروں کو مار کر بھگا دیتے ہیں۔ بیماروں کا علاج کرتے ہیں اور زخمیوں کو محصور کر دیتے ہیں۔ اور جہاں تک میرا تعلق ہے، میں بیماری یا روگ کو ختم کرتا ہوں۔ ہماری آسودگی اور خوش اوقاتی کو بیماریاں اڑا لے جاتی ہیں۔ دوسرے لوگ صرف علامات کا علاج کرتے ہیں۔ میں نے اس کا بہت احتیاط سے جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس علاقے میں اضطراب اور ہیجان کی بنیادی وجہ پیٹ ہے۔ مجھے بہت سارے ایسے لوگ ملے جو اپنے خالی پیٹ کو بھرنے کی سکت نہیں رکھتے چنانچہ بھوک سے چیختے چلاتے رہتے ہیں۔ دوسرے لوگ خالی پیٹ نہیں ہیں بلکہ ان تمام چیزوں کو بے دریغ استعمال کر رہے ہیں جس کی انہیں خواہش ہوتی ہے۔ اور پیٹوں کا یہی تضاد، نفرت بن کر لوٹ مار، ذخیرہ اندوزی اور قتل کا سبب بنتا ہے۔۔۔ چنانچہ بیماری تو صاف اور عیاں ہے۔۔۔ اسی طرح اس کا علاج بھی صاف اور آسان ہے۔''

جج نے جواباً کہا۔ ''اس کے برخلاف جس مرض کی تم نے تشخیص کی ہے اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے!''

''ہاں لوگ یہی کہتے ہیں جناب والا۔ اور وہ اس بات کو اس لئے کہتے ہیں کیونکہ خدا پر وہ بھروسہ نہیں کرتے۔ خدا پر یقین، خدا پر اعتماد، راستی پر یقین۔ وہ اچھائی کو صحیح طرح تسلیم نہیں کرتے۔ وہ سست انداز اختیار کرتے ہیں جس میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اور اجرت، حیثیت اور ناموری کے لئے تگ و دو کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس سے بچتے ہیں تو بے زار اور بے حال ہو کر کہتے ہیں کہ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے، جناب والا۔ جہاں تک میرا

تعلق ہے۔۔۔ میں راستی پر یقین رکھتا ہوں جو مجھے میرے راستے پر چلاتا ہے اور وہ عمل آہستہ اور خوش اسلوبی سے جاری رہتا ہے۔''

اجنبی کی باتوں نے کانیبل کو غضب ناک کردیا کیونکہ وہ اس کے سامنے ہی اس کی ہتک کررہا تھا۔ لیکن جج چونکہ وسیع النظر اور نرم دل تھا اس لئے اس نے اجنبی کی باتوں کو نظر انداز کردیا اور یہ دیکھتے ہوئے کہ اس مقدمے میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر اسے سزا دی جائے، اجنبی کو تنبیہ کرتے ہوئے آزاد کردیا۔

بوڑھا اجنبی عدالت سے نکلا تو ایک نوجوان کی طرح شاداں و فرحاں اور پرغرور جذبات سے سرشار تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا مشن یقینی انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے گا۔ اس کے قدم بھرپور طاقت اور تمکنت کے ساتھ زمین پر پڑ رہے تھے۔ اس کی باتوں میں نوجوانوں جیسا جوش و جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس کا قلب اعتماد و یقین کے جذبے سے لبریز تھا۔ اس کی زبان سے گویا طلسمی الفاظ نکل رہے تھے۔ اس میں ایسا استدلال ہوتا کہ متکبر لوگ بھی اپنا دفاع نہیں کرسکتے تھے۔ انتہائی قلیل وقت میں وہ اس بات کا اہل ہوگیا کہ قبیلے کے لوگ اس کی باتوں کو توجہ سے سننے لگے۔ وہ ان کے دلوں سے گفتگو کرنے لگا اور ان کی ہمدردی اور سخاوت کے جذبات کو بیدار کردیا۔ اور اس کی جو بھی خواہش تھی اس کی نشاندہی کرتے ہوئے انہیں اس راستے پر ڈال دیا۔ غریب غربا اس کی جانب بڑھنے لگے اور امراء اس کی مخالفت کرنے لگے۔ باغیوں اور انقلابیوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔ اس کی خواہش اور درخواست کی بنیاد خوبصورتی اور اعتدال پر تھی جس کے سائے تلے غریب آسودگی کی زندگی گزاریں اور امراء یہ سوچیں کہ ان کے پاس اطمینان بھر سرمایہ موجود ہے۔ اس کی صورت میں، بیمار معاشرے نے ایک ماہر معالج پالیا۔ چنانچہ لوگ اس سے پیوستہ ہوگئے اور اس کے اعلیٰ خیالات کو گلے لگالیا۔

نتائج انتہائی شاندار نکلے جس نے دیدہ بینا رکھنے اور عقل و شعور والوں کی نگاہوں کو

خیرہ کر دیا۔ خوشیوں نے پورے علاقے کو اپنے پروں تلے لے لیا۔ سماجی راہنما خوش ہو کر اس شخص پر اعتماد کرنے لگے جسے وہ پہلے تسلیم نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ امراء اور شرفاء کے سامنے بھی شادمانی کا اظہار کرنے لگے۔ ان لوگوں نے اپنی پوری زندگی اسی کے حصول میں صرف کر دی تھی اور کچھ حاصل نہ کر سکے تھے۔

وقت گزرتا رہا، آہستہ آہستہ، خاموشی کے ساتھ، پرسکون انداز میں۔ چیزیں تبدیل ہوتی رہیں، اس طرح کہ لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سب سے پہلے حکمرانوں نے محسوس کیا کہ نیا دور آ رہا ہے۔ جو سچ پوچھو تو ان کے پاس کرنے کے لئے کوئی کام ہی نہیں رہا تھا۔ ضروریات زندگی کے لئے کام کاج کرنے والے ہی خالی اوقات میں خوشی محسوس کیا کرتے تھے۔ حکمرانوں کے لئے خالی اوقات مشکل سے مشکل تر ہوتے گئے۔۔۔ وہ حسرت و یاس بھری آنکھوں سے اپنے دبدبے اور اقتدار کو غائب ہوتا دیکھ رہے تھے۔ ان کی ہوا اکھڑ رہی تھی، ان کی تابانی تاریکی کی نذر ہو رہی تھی۔

ماضی میں کانسٹیبل کافی طاقتور تھا، وہ جہاں بھی ایک لمحے کے لئے رکتا ایک دہشت سی پھیل جایا کرتی تھی اور اب یہ عالم تھا کہ لوگ اسے دیکھ کر گستاخی سے منہ پھیر لیا کرتے تھے۔

اور جج جو اپنا مقدس فریضہ انتہائی اعتماد اور وقار کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا، وہ تکلیف اور غم کے ساتھ بجھ کر رہ گیا تھا۔ اور اس نے کتنے دنوں سے نہ تو کسی سے اظہار خیر سگالی کے کلمات سنے تھے اور نہ کسی نے ارجنٹ درخواست کی تھی۔ اسی طرح باہر کسی نے اسے خوش آمدید تک نہ کہا تھا۔ وہ ہر وقت اکیلا پن اور تنہائی محسوس کیا کرتا تھا، دراصل وہ ویرانے میں قائم ایک معبد ہو کر رہ گیا تھا۔

جہاں تک ڈاکٹر کا تعلق ہے وہ اپنی ہی شکایات سے کراہتا رہتا تھا اور خود کو اپنے گھر میں بند کر دیا تھا۔۔۔ وہاں نہ کوئی مہمان آتا اور نہ ہی کوئی ملاقاتی۔ اس سے قبل وہ اپنی دولت برتنوں میں جمع کیا کرتا تھا لیکن اب وہ اپنی اسی بچت سے خرچ کرنے لگا تھا اور اس کا دل فکر و تشویش سے دھڑکتا رہتا تھا۔

اس دوران صوبہ اپنی آن بان کو محفوظ کر چکا تھا سوائے ان کے جو خود کو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہی ''اچھائی اور پاکبازی کا محور ہیں''۔ ایسے تمام لوگ اس وقت مایوس اور حیران تھے۔ وہ کبھی دائیں جانب دیکھتے کبھی بائیں جانب تاکہ اس تکلیف دہ صورت حال سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کریں۔ لیکن ابھی تک انہیں کوئی راستہ نہیں مل سکا تھا۔ ان سب لوگوں میں کانسٹیبل کی تکلیف سب سے زیادہ تھی کیونکہ۔۔۔ ان لوگوں میں وہی سب سے زیادہ بے باک اور جرأت مند تھا، اس کے باوجود وہ اپنی تشویش کے اظہار سے خائف تھا۔ ہم خیالوں سے ملاقات ہوتی تو وہ کان بند کئے بظاہر مطمئن دل کے ساتھ موجود رہتا۔

بالآخر اس کے صبر کا بندھن ٹوٹ گیا۔ اپنے ہم رتبہ لوگوں کی ایک میٹنگ میں اس نے خوف بھری آواز میں زور سے کہا۔ ''ہم لوگوں کا کیا بنے گا اگر حکومت کو۔۔۔ جیسا کہ آج کل ہے۔۔۔ ہماری خدمات کی ضرورت نہ رہی؟''

ان سب کے چہروں کی رنگت اڑ گئی۔ ایک شخص نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ''کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ ہمارے بغیر کچھ کر سکیں؟''

رام نے مایوسی کے ساتھ کندھے ہلاتے ہوئے کمزور سے لہجے میں کہا۔ ''جب اس قسم کا معیار ہوگا تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟''

ان الفاظ کے ساتھ، ایسا لگا کہ اس نے بھری ہوئی کیتلی کا ڈھکنا کھول دیا ہو اور اس میں جو کچھ تھا وہ چھلک کر باہر آ گیا ہو۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''تم اس طرح خود کو خاموش نہیں رکھ سکتے۔''

اپنی مٹھی لہراتے ہوئے دوسرے شخص نے کہا۔ ''ایک معمولی سے بوڑھے آدمی نے پورے علاقے کو تباہ کر کے رکھ دیا۔''

''تیسرے نے شکوہ کیا۔'' وہ انسانوں کی رفعت اور صلاحیت کو تباہ کر رہا ہے کہ وہی ساری ترقی، قتل و غارت گری اور ہر قسم کے خوف کے ذمہ دار ہیں۔''

ان کے درمیان خفیہ گفتگو ہوتی رہی۔ ہر شخص بخوبی آگاہ تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے، سوائے جج کے۔ وہ خاموش بیٹھا حد افق کو گھور رہا تھا اور اس کے اردگرد جو باتیں ہو رہی تھیں اسے نہیں سن رہا تھا۔ اس کے طرز عمل سے لوگوں کو مایوسی ہوئی کہ وہ کوئی مدد

نہیں کرے گا۔ لیکن رام نے گھبراتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''سومر کی فکر مت کرو۔۔۔ اس کا دل ہمارے ہی ساتھ ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے اس کی زبان جو انصاف کی بات کرتی ہے، ہمارے مقصد اور منصوبے میں سرگرم عمل نہیں ہوگا۔''

چنانچہ سب لوگ اس بات پر متفق ہوگئے کہ کیا کرنا ہے۔۔۔

ایک صبح سورج اس خبر کے ساتھ نمودار ہوا کہ نامانوس اجنبی غائب ہوگیا۔ اس کے شاگردوں نے اسے ہر چہار جانب تلاش کیا، ملک کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔ لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس کی گمشدگی ایک سراسیمہ کردینے والی حیرت تھی۔ لوگوں نے مختلف قسم کے تبصرے شروع کردئے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ ضلع سے اس یقین کے بعد کہیں باہر چلا گیا کہ اس کی تعلیمات اچھی طرح جڑ پکڑ چکی ہیں۔ دوسروں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد جنت میں دوبارہ چلا گیا ہے۔ بہر حال پورے صوبے کو سخت ترین افسردگی نے گھیر لیا۔ ان لوگوں کو بھی جو اس میں رہائش پذیر تھے۔

جو طاقتور حیثیت کے مالک تھے، انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور۔۔۔ بے پناہ امیدوں کے ساتھ اس عیش وعشرت کا خواب دیکھنے لگے جو جاتا رہا تھا ان کا وہ چین وآرام جو کہیں غائب ہو چکا تھا۔ وہ پیشگی امید کے ساتھ ان چیزوں کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن جو لوگ اس قسم کی امید کر رہے تھے، ان کے لئے مایوسیاں منتظر تھیں۔ جب حاکم اعلیٰ نے دیکھا کہ معمولی افراد ابھی تک اپنے اعتماد و یقین پر قائم ہیں، وہ بوڑھے اجنبی کی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔۔۔ وہ کسی بھی وقت سکون کو درہم برہم کرسکتے ہیں تو ان کے دل آزاردہ ہوگئے یہاں تک کہ ان کی رات کی نیندیں بھی حرام ہوگئیں۔

غصے میں دھنواں اڑاتے ہوئے، احکامات پر عمل درآمد کرانے والا چیخ اٹھا۔ ''یہ صورت حال قائم نہیں رہ سکتی۔''

آرزو اور شدید خواہشات سے لبریز آنکھیں کانسٹیبل کی جانب اٹھیں۔ امید کے مشکل کام نے انہیں خالی کردیا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے رام نے سازشی لہجے میں کہا۔ ''یہ بات

میرے علم میں ہے کہ پڑوسی صوبے Ptah میں ایک خوبصورت رقاصہ رہتی ہے جسے خدا نے حسن کی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ ہم اسے چند ماہ کے لئے کیوں نہ مانگ لیں؟ میرے علم میں یہ بات بھی ہے کہ صوبے کا حکمراں اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اکثر وہاں خلفشار مچا رہتا ہے۔ صوبہ خنم کو یونہی رہنے دو۔ وہ یقیناً ایسے بیج بو دے گی کہ بھائی بھائی کے درمیان اور شوہر بیوی کے درمیان ایک خلیج واقع ہو کر رہ جائے گی۔ امراء احتجاج کرنے لگیں گے کہ اس زنجیر کو کاٹ دو جسے انہوں نے بڑی تابعداری کے ساتھ اپنی گردن میں ڈال لیا تھا۔ دیکھتے رہو بہت جلد ہی اچھے نتائج برآمد ہونا شروع ہو جائیں گے۔"

چنانچہ متاثر لوگ اس خوفناک منصوبے پر عمل پیرا ہو گئے۔

سب لوگوں نے خوشیوں اور چمکتی آنکھوں سے دیکھا کہ بوڑھے اجنبی کے قائم کردہ نظام کی شاندار عمارت زمین بوس ہو کر رہ گئی اس طرح اس کی ہر اینٹ علیحدہ ہو کر رہ گئی۔ پیٹ بار دگر تخت شاہی پر براجمان ہو گیا اور گردن اور ذہن دونوں ہی اس کی حکمرانی پر جھکنے لگے۔ شیطانی زندگی دبے پاؤں خنم میں واپس آ گئی۔ اور امن وسکون جو اس حصے میں قائم ہو چکا تھا اسے اڑا کر کہیں لے گئی۔ شہریوں کا گینگ اپنی مہم پر دوبارہ آ گیا۔ سب نے دیکھا کہ وہ راستی، انصاف اور امن کے لئے بہترین لڑائی لڑ رہے ہیں۔

بادشاہ یوسرکف کی معافی

king userkaf's forgiveness

بادشاہ یوسرکف کی معافی

فراعین مصر کے پشت در پشت بادشاہوں میں سے ایک پرشکوہ حکمراں کا نام ''فرعون یوسرکف'' تھا۔ جس نے مصر پر انصاف، رحم دلی، دانائی اور استحکام کے ساتھ حکومت کی۔ وہ اپنی رعایا سے محبت کیا کرتا تھا۔ اس نے تخت سنبھالتے ہی ایک عظیم الشان فوج اکٹھا کی اور اسے مغربی صحرا میں مارچ کا حکم دے دیا۔ اس عمل سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ صحرا گرد قبائل کو کچل دے جنہیں اس کے بزرگوں نے ان کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے نظر انداز کر رکھا تھا وہ سفری قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور ساحلی قصبوں اور دیہاتوں کو بھی تاخت و تاراج کرنے کے بعد ان کا مال و اسباب مال غنیمت کے طور پر لے جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پرامن شہریوں پر حملے بھی کر دیتے تھے۔ اس کی افواج ان ظالم لیٹروں کو انتہائی بے دردی سے ختم کرنے کے بعد واپس ہوئی تو اس کے ساتھ بڑی تعداد میں قیدی اور مویشیوں کا ریوڑ تھا۔ اس طرح اس نے اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔ اور نہ صرف اپنا بلکہ مصر کا نام بھی روشن کیا۔ اب کوئی ایسی چیز نہیں رہ گئی تھی جس سے خوف میں مبتلا رہا جائے۔ اس نے اپنے عوام کو وحشی قبائل اور بدی کے پجاریوں سے چھٹکارا دلا دیا تھا۔ امن اور حفاظت کی چھتری تلے اس نے خود کو اندرونی معاملات کے لئے وقف کر دیا تاکہ قوم اور بچوں کی بہتری کے اسباب کئے جاسکیں۔ اس نے سڑکیں تعمیر کرائیں، نہریں کھدوائیں اور

اپنے لئے اسوان میں ایک عظیم الشان اہرام تعمیر کرایا۔ اسوان اس کا پایہ تخت تھا۔ اس کا دور حکومت امن و آتشی، دولت اور تعمیرات کا ایک نمونہ تھا۔ بادشاہ اپنی عظمتوں کے ساتھ پر اعتماد زندگی گزار رہا تھا۔ اس کا سینہ عوام کی محبت سے، جو وہ اپنے بادشاہ سے کیا کرتے تھے، دمکتا رہتا۔ اور اس کے شب و روز اعلیٰ عہدیداروں کے خلوص سے روشن رہا کرتے جو وہ اپنے بادشاہ کی خدمت کے دوران بڑی محبت اور چاہ کا مظاہرہ کیا کرتے۔ یہی لوگ بادشاہ کے انتہائی اچھے دوست اور باوقار ساتھی تھے۔ ان میں اس کا بیٹا ''سہورا'' متوقع جانشین اور ''ہرمورا'' اس کا بڑا وزیر وغیرہ شامل تھے۔ اس کے قریبی دوستوں میں خُنم کا بڑا راہب ''سینوں'' اور مصری آرمی کا سپریم کمانڈر ''سیمزا'' بھی تھا۔

شریف النفس بادشاہ ہر صبح خُنم کی عبادت گاہ جا کر عبادت کیا کرتا تھا، یہ اس کا معمول تھا۔ ایک صبح وہ اس مقدس عمارت میں داخل ہوا اور دیوتا کے بت کے سامنے عبادت کرنے لگا۔ بادشاہ نے دیوتا کے پاؤں چومے اور انتہائی خضوع و خشوع سے دعاؤں میں مشغول ہو گیا، اس نے اس کی عنایتوں اور مہربانیوں پر شکریہ ادا کیا کہ اس نے اسے کتنے بے شمار انعامات سے سرفراز کر رکھا ہے۔ اس نے اپنی دعا کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا۔ ''میں اپنے باپ خُنم کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے عوام کی محبت اور حقیقی وفاداری بخشی، وہ محبت جو اس نے اپنی تشفی کے بعد پیدا کی۔ دنیا میں بے پناہ خوشیوں سے سرفراز کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، سوائے اس کے جو دوسروں کے دلوں کو اپنی خوشیوں کے لئے منور نہ کرے اور جو دوسروں کے دکھوں کو اپنا دکھ نہ سمجھے۔''

کیونکہ ان دنوں لوگ دیوی دیوتاؤں کی عبادت ایسے دل کے ساتھ کیا کرتے تھے جو نیکی، یقین اور سادگی سے بھرا ہوتا تھا۔ چنانچہ دیوی دیوتا کبھی کبھی جواب سے سرفراز کر کے انہیں خوش بھی کر دیا کرتے تھے اور کبھی معجزات بھی رونما ہو جاتے تھے۔ اس لئے یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی جب فرعون نے ایک غیبی آواز سنی جو اسی کو مخاطب کر رہی تھی۔

"اے بادشاہ، ہم نے تجھے دانائی اور حکمت سے سرفراز کیا... پھر تو دوسروں پر اتنا بھروسہ کیوں کرتا ہے؟"

خدا نے جو کہا تھا وہ سن کر بادشاہ کو حیرت ہوئی اور دل میں وسوسوں نے سر اٹھایا لہٰذا اس نے انتہائی عاجزی وانکسار کے ساتھ جواب دیا۔ ''اے مقدس آقا، میں نے اپنے عوام کی خدمت خلوص کے ساتھ کی جس کے جواب میں انہوں نے مجھے محبت دی۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ مخلص رہا ہوں چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ اخلاص برتتے ہیں۔ پھر یہ وجہ ملامت کیوں کر ہوسکتا ہے؟''

آسمانی پروقار آواز جواباً گویا ہوئی۔

"دیکھو، درخت پر کتنے پتے ہوتے ہیں جس کی شاخیں بھرپور ہریالی کے ساتھ ہوا پیدا کرتی ہیں۔ یہ بھی دیکھو کہ اس کے پھیلے ہوئے سائے میں لوگ کس طرح بیٹھ کر سورج کی گرم شعاعوں سے خود کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اور وہ اس میں لٹکتے ہوئے پھولوں کو توڑتے ہیں... پھر اسی درخت کو موسم سرما میں دیکھو، یخ بستہ ہوائیں اسے کس طرح پامال کرتی ہیں اور اس کی پتیاں گرجایا کرتی ہیں، اس طرح درخت ایک ٹھنڈ بن کر رہ جاتا ہے جیسے کوئی لاش جسے حنوط کرکے محفوظ نہ کیا گیا ہو۔ پھر یہ دیکھو کہ لوگ اس سے کس طرح بے تعلق ہوکر اس کی شاخوں کو کاٹ کر لے جاتے ہیں تاکہ اسے آگ میں جلاسکیں۔"

فرعون اپنے محل میں واپس آیا۔ وہ انتہائی دل گرفتہ اور افسردہ تھا۔ وہ بار بار غور وفکر کرتا رہا کہ خدا نے اس سے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کے سینے میں شک نے سرگوشی کی اور دل فکر وتشویش سے بھر گیا۔ پہلی بار اس نے شک وشبہ سے اپنے لوگوں کے چہروں کا تصور کیا جو برسہا برس سے اس کی دوستی کا دم بھر رہے تھے۔ غور وفکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کی دوست داری اور میٹھی میٹھی باتیں سب جھوٹ تھیں۔ ان کی مسکراہٹوں کے پیچھے نفرت اور ریاکاری چھپی ہوئی تھی۔ ان کی تابعداری خوف اور دہشت

کی بناء پر تھی۔ بدخواہی کی شدید لہر نے سب کچھ صاف کر دیا اور وہ چاہتا تھا کہ خوشیوں بھرے دن واپس آ جائیں جو ختم ہو چکے تھے۔ ایک قرطاس ابیض، گھناؤنے تصور میں رسوائی کا سبب بن رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ خوشیاں مضبوط زنجیر کے ساتھ اس کی زندگی سے نتھی ہیں لیکن اب قسمت نے اسے ٹھکرا دیا ہے۔۔۔ لیکن اس خوشی نے دکھاوا اور تکلیف دہ بدقسمتی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

''شہزادہ سہورا'' بادشاہ کی عجیب وغریب کیفیت دیکھ کر پریشان اور الجھن کا شکار تھا۔ بالآخر اس نے باپ سے پوچھا کہ آخر اس کے سکون میں کس چیز نے خلل ڈالا ہے۔ شہزادہ اپنے باپ سے عبادت کی حد تک محبت کرتا تھا، اسی طرح بادشاہ بھی اسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ وہ اس پر اتنا ہی اعتماد کیا کرتا تھا جتنا کہ خود اپنی ذات پر۔ چنانچہ اس نے اپنی پریشانی کی وجوہات سے اسے آگاہ کر دیا۔ اس نے اپنے خوف کی وجہ بتائی اور یہ بھی کہ خنم کے دیوتا نے اس سے کیا کہا ہے۔ الجھن میں مبتلا شہزادے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ فرعون کے دماغ سے ان وسوسوں کو کس طرح نکالے۔

اس کے برخلاف بادشاہ کے دماغ میں وہ خیالات بس کر رہ گئے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے متوقع جانشین سے کہا۔ ''میں کسی ثبوت کے بغیر دھوکہ اور فریب کی کوئی مثال نہیں چھوڑنا چاہتا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے جس سے شاید حقیقت عیاں ہو جائے۔ اس لئے میری بات دھیان سے سنو، میرے بیٹے۔ کل سے میں پنٹ (Punt) کے لئے سفر شروع کروں گا۔ میری غیر موجودگی میں تم مملکت کی باگ ڈور سنبھالو گے۔ کچھ دنوں تک انتظار کرنا اس کے بعد وادی نیل پر اپنی مکمل حکمرانی کا اعلان کر دینا۔ میرے قریبی لوگوں، جن کے پاس بڑے عہدے ہیں، کو لالچ اور پیسے وغیرہ دے کر اپنا ہم نوا بنا لینا۔ ان سے وعدہ کرنا اور ان کے ساتھ فیاضی کا سلوک کرنا۔۔۔ تاکہ وہ اپنی ڈھال نیچی کرتے ہوئے تمہاری ماتحتی اور تابعداری قبول کر لیں۔ اس طرح ہم دیکھ

سکیں گے کہ حقیقتاً ان کے اندر کیا ہے۔''

لیکن شہزادے کا دل فرعون کے منصوبے سے اچانک ہٹنے لگا۔ اس نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے معاف رکھیں، میرے آقا اور اپنی جگہ نہ بٹھائیں۔ اس طرح میں آسمان اور زمین پر ایک باغی بن کے رہجاؤں گا۔ مجھے آپ کی طویل غیر حاضری بھی منظور نہیں ہے جو میرے دل کے چین کو روند کے رکھ دے گی۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اپنی دیکھ بھال اور خبر گیری سے بھی محروم نہ کیجئے۔

لیکن بادشاہ، شہزادے کی فکر وتشویش پر حاوی رہا اور کہا کہ میری خواہشات کے مطابق تابعداری کے جذبات کے ساتھ عمل کرو۔ اس کے بعد ''یوسرکف'' اپنی نوجوان ملکہ نے (Tey) کے پاس گیا۔۔۔ ملکہ شہزادے کی ماں نہیں تھی، وہ تو بہت پہلے ہی مر چکی تھی۔ تاکہ اسے خدا حافظ کہے۔ اُس نے اپنے پیارے کتے ذے (Zay) کو بھی گڈ بائی کہا۔ اس کے بعد اس نے ایک مرچنٹ شپ کے ذریعے مقدس سرزمین پنٹ کا سفر شروع کردیا۔ وہاں پہنچ کر تھوڑے ہی عرصے رہا، اس دوران وہ ہرے بھرے منظر اور زرخیز وادی میں گھومتا پھرتا رہا۔ وہ جہاں بھی قدم رکھتا اسے عزت وتکریم دی جاتی، بالکل اسی طرح جو ایک فرعون کے شان کے مطابق ہوتی۔

اس کے باوجود یوسرکف اس خیال سے باہر نہیں نکل سکا کہ اس کے احباب اس کی واپسی پر کیا رویہ اختیار کریں گے۔ اسے جب برے خیالات ستاتے اور ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے یا خدشات سر اٹھاتے تو وہ خوبصورت یادوں سے تسکین حاصل کرتا کہ انہوں نے کس طرح اسے بھرپور اعتبار سے نوازا۔ اس طرح اسے سکون قلب حاصل ہوجاتا اور وہ ان خوشنما یادوں میں کھو کر اپنے وسوسوں پر قابو پالیتا تھا۔ لیکن جب اس کا سینہ فکر وتشویش سے لبریز ہوگیا اور بدی نے سرگوشیاں شروع کردیں اور دل وطن کے لئے تڑپنے لگا تو اس نے اپنی جنم بھومی واپس چلنے کا ارادہ کرلیا۔

چنانچہ اس نے اپنا مختصر سامان سمیٹا اور ایک مصری جہاز میں بیٹھ گیا اور ایک بار پھر اسی سرزمین، اسی ساحل پر اپنے قدم رکھے جس کی بہتری کے لئے اس نے اپنی زندگی کے پھول صرف کر دئے تھے۔ وہ ساحل سے سیدھا قریب ترین گاؤں میں پہنچا، جہاں۔۔۔ بدیسی لباس کی بنا، پر بلا پہچان ظاہر کئے، وہاں کے لوگوں میں گھل مل گیا۔ ایک دن اس نے چند لوگوں کے گروپ سے سوال کیا۔ ''اے لوگو، تمہارا بادشاہ کون ہے؟''

ایک جوان شخص نے جس کا چہرہ سورج کی تپش سے سانولا ہورہا تھا، اپنی کلہاڑی لہراتے ہوئے جواب دیا۔ ''خدا سلامت رکھے اس کا نام ہورا ہے۔''

''اور وہ ہے کیسا؟''

جوان شخص نے بہت ہی جذباتی انداز میں جواب دیا اور اس کے دوست نے کہا ''آمین۔''

''جب نیل میں پانی کی سطح کم ہو تو وہ ہماری مدد کے لئے آتا ہے۔ کوئی تباہی اور مصیبت کی گھڑی ہو تو ہمارے ساتھ ہوتا ہے اور مشکل دور ہو جاتی ہے۔''

اس کے بعد بادشاہ نے پوچھا۔ ''اور تم یوسرکف کو کس طرح یاد کرتے ہو؟''

''بہت اچھا۔۔۔ لیکن اگر وہ اب بھی منظر پر ہوتا اور ہمارا بادشاہ ہوتا۔''

فرعون نے لمبی سانس لی اور ملول آواز میں پوچھا۔ '' تم نے اسے کیوں کر چھوڑ دیا جب وہ تمہارا بہت اچھا راہنما اور حاکم تھا؟''

نوجوان نے اسے خشمگیں انداز میں دیکھا اور مڑتے ہوئے کہا۔ ''حکومت کے خلاف سرکشی دیوتا کی بددعا ہوتی ہے۔''

بادشاہ انتہائی اداس جذبوں کے ساتھ گاؤں سے نکلا اور نیل کی جانب بڑھا جو اس کی مملکت تھی۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں تو خود کو خنم کے اس معبد کے سامنے پایا جس میں وہ ہر صبح عبادت کے لئے جایا کرتا تھا۔ اس نے بڑے راہب سیمن سے ملاقات کا عندیا دیا تو

اسے اندرونی حجرے میں پہنچا دیا گیا۔ جب بڑے راہب نے اسے دیکھا تو بدلے ہوئے حلیہ کے باوجود پہچان لیا اور حیرت اور خوشی سے چیخ اٹھا اس کی آواز میں لکنت تھی۔

''میرے آقا۔ بادشاہ یوسر کف۔''

بادشاہ نے زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔'' مجھے اپنا آقا اور بادشاہ کیسے کہہ سکتے ہو جب تم نے اپنی تمام تر وفاداریاں اس باغی لڑکے کو پیش کر دیں جس نے میرے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے؟''

بڑا راہب ہکلایا اور لڑکھڑاتے اور دور دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے آقا، ایک کمزور آدمی کیا کر سکتا ہے جو جنگ کرنا بھی نہیں جانتا؟''

''جنگ کرنا ہر شخص کا کام نہیں لیکن ہر شخص میں وفاداری کی خوبی ضرور ہونی چاہئے۔ تم ایک ایسے شخص کی ملازمت میں کس طرح رہ سکتے ہو جس نے اپنے آقا اور مربی کو دھوکہ دیا ہو؟''

بادشاہ کے پرانے دوست کی گھبراہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا اور الجھن اور پریشانی نے اسے دبوچ لیا۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا چنانچہ فرعون نے اس سے کہا۔''سیمن، کیا تم میرے بیٹے سہورا کی ناجائز حکومت اور اس کے گناہ کا اعلان کر سکتے ہو۔ اگر تم نے یہ اعلان کر دیا تو میری ہمت بڑھ جائے گی اور تم پر میرا پرانا اعتماد بحال ہو جائے گا؟''

لیکن بڑا راہب دہشت زدہ تھا، اس نے التجا کی۔''میں نہیں کر سکتا میرے آقا۔۔۔ میرا فرض یہ ہے کہ میں اپنے خدا (دیوتا) کی خدمت کروں، یہ نہیں کہ کسی بادشاہ کو اس کے منصب سے ہٹا دوں۔''

یوسر کف ایک لمحے تک خاموش رہا، اپنی دونوں سخت آنکھوں سے راہب کی آنکھوں کا تعاقب کرتا رہا جو اپنی نظریں بچا رہا تھا۔ پھر بادشاہ یکایک گھوما اور معبد سے باہر آ گیا۔ اسے روحانی تکلیف پہنچی تھی، اس کے سینے پر بوجھ تھا۔ وہ شدت آزار سے اپنی انگلیاں

کاٹ رہا تھا۔

وہ بہ عجلت تمام بڑے وزیر کے محل پہنچا اور ہرورا سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن خدام نے اس کی سج دھج دیکھ کر اس کا مذاق اڑاتے ہوئے باہر نکال دیا۔ بادشاہ نے ان کی منت سماجت کی لیکن اس عمل نے انہیں مزید مغرور کر دیا۔ پھر اس نے انہیں بتایا کہ وہ وزیر کا ایک دوست ہے اور ایک دوسرے شخص کا نام بھی بتایا جس سے اس کی قربت کا ثبوت مل گیا۔۔۔ چنانچہ انہوں نے اسے اندر داخل کر لیا۔ جب بڑے وزیر کی نظریں آتے ہوئے شخص پر پڑیں تو وہ دہشت سے بت بن کر رہ گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں مفلوج ہو گئے اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بلا سوچے سمجھے لمبی سانس لی اور کہا ''میرے آقا۔''

''کیا تم پر خدا کی مہربانی رہی، میرے پیارے دوست ہرورا۔'' بادشاہ نے کہا۔

''کیا کسی نے تمہیں میرے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟'' بڑے وزیر نے پوچھا۔ اس کا دل مایوسیوں کا شکار تھا۔

بادشاہ نے اس سوال کی وجوہات پر تھوڑا سا غور کیا اور کہا۔ وہ دکھ اور پریشانیوں میں ڈوبنے لگا۔ ''ہاں، میرے دوست۔۔۔ خدام اور محافظوں نے جو تمہارے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔''

''ان میں سے کسی نے تمہیں پہچانا تو نہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔'' بادشاہ نے جواب دیا۔

وزیر نے لمبی سانس لی۔ ''اگر بادشاہ کو تمہاری یہاں آمد کی خبر ہو جائے تو کتنی بڑی تباہی ہو جائے گی۔''

''کیا تم اس بات سے خوف زدہ ہو نو دولتئے؟''

''میں کیسے نہ ہوں؟'' وزیر نے کہا۔ ''بہر حال تم پچھلے دروازے کے ذریعے محل سے نکل جاؤ۔''

''میرے پیارے دوست، ہرورا۔۔۔ کیا تم مجھے نکال رہے ہو؟''

''برائے کرم مجھے معاف کر دیں۔ کیونکہ میں ایک مشکل صورت حال سے دوچار ہوں۔ میں تم سے پرانی دوستی کے نام پر التجا کرتا ہوں۔''

فرعون تمسخر کے انداز میں ہنسا۔ کیونکہ اس کا چیف منسٹر گھبراتے ہوئے واویلا کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ امید رکھنا بیکار ہے اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ خاموشی سے پچھلے دروازے کے ذریعے محل کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ اس کے دوست کی خواہش تھی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے سینے میں حیرت اور افسوس بھرا ہوا تھا۔

اب اس کے دوستوں میں سے کوئی نہیں بچا تھا سوائے جنرل سمورا کے۔۔۔ حالیہ تمام ناکام تجربات کے باوجود بادشاہ کو اب بھی اپنے کمانڈر انچیف پر اعتماد تھا، وہ ایک بہادر، جری، شریف اور پرجوش انسان تھا۔ دیوتاؤں نے اسے ایک ایسی فطرت سے نوازا تھا کہ وہ نہ دھوکہ دہی کرتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسری برائی کر سکتا تھا۔ چنانچہ آخری امید کے سہارے یوسرکف نے اس سے ملاقات کی اجازت طلب کی۔ جب ان کی آنکھیں ملیں تو بادشاہ نے انتہائی اشتیاق سے اپنی بانہیں پھیلا دیں تاکہ اسے گلے سے لگا لے۔ ''او جنرل سمورا کیا تم مجھے بھول گئے؟''

حیرت سے دیکھتے ہوئے کمانڈر کھڑا ہو گیا اور خطرے کے احساس کے باوجود کہنے لگا۔ ''میرے آقا، بادشاہ یوسرکف۔''

''ہاں، یہ میں ہی ہوں۔ تمام تر تکلیفوں اور پریشانیوں کے ساتھ۔''

جنرل نے بادشاہ کے پھیلے ہوئے بازوؤں کو نظرانداز کر دیا جب کہ اس کے چہرے پر سختی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے اپنے پرانے بادشاہ سے سختی کے ساتھ پوچھا۔ ''کیا بادشاہ جلالت مآب کو تمہارے سلطنت میں داخلے کا علم ہے؟''

یوسرکف قدرے پیچھے ہوا۔ اس کے بازو مایوسی کے ساتھ گر گئے۔

''نہیں۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''تم مصر میں کس مقصد کے تحت آئے ہو؟''

''میں اس لئے آیا ہوں تا کہ اپنے پرانے دوستوں سے مدد لے سکوں۔''

جنرل بادشاہ کی طرف فوجی آواز میں کہتے ہوئے بڑھا۔ ''مصری آرمی کے کمانڈر ہونے کے ناطے میرا فرض ہے کہ میں تمہیں فرعون کے نام پر گرفتار کرلوں۔''

''کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ میں ہی قانونی بادشاہ ہوں؟''

جنرل نے یوسرکف کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''مصر کا صرف ایک بادشاہ ہے، میں کسی دوسرے کو نہیں جانتا۔''

یہ سمجھتے ہوئے کہ بحث بیکار ہے فرعون نے سمورا کے سامنے ہتھیار ڈال دیا۔ وہ اسے ساتھ لے کر شاہی محل پہنچا، دربار میں بادشاہ کے حضور کھڑا ہوگیا۔ یوسرکف نے اپنے بیٹے کو دیکھا جو اس کے تخت پر جلوہ افروز تھا۔

اس کے چاروں جانب اس کے اپنے آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ان سب کے آگے ہرورا اور سیمن تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ دونوں ایک ساتھ سمورا کے پاس پہنچے ہیں تا کہ اسے اس کے آنے کی اطلاع دے سکیں۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے تا کہ وہ گواہی دے سکیں۔ ان کے ساتھ جنرل یوسرکف کی واپسی اور بادشاہ سے وفاداری کا امتحان لے گا۔ اور اس سے وعدہ لے گا کہ وہ اس کے بیٹے کا وفادار رہے گا۔

بادشاہ نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے بیٹے پر نظر ڈالی۔ اور جیسے ہی وہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہتا تھا کہ کسی کتے کی بھونکنے کی تیز آواز آئی۔ اس نے دیکھا کہ اس کا کتا ذے (Zay) محافظوں کے اوپر سے کودتا پھاندتا انتہائی تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ فرعون نے اسے ہاتھ سے تھپکی دی اور اس کی بے پناہ محبت اور دردمندانہ جذبات کو سراہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے شدید ترین غصے پر قابو پانے اور خاموش رہنے پر بھی قابو نہ

رکھ سکا جسے انتہائی کوششوں سے ہی روک سکا۔۔۔ بالآخر اپنے جوش اور ہیجان پر قابو پانے کے بعد وہ تخت کی طرف بڑھنے لگا، یہاں تک کہ شاہی محافظ اس کے روبرو ہو گئے۔ اس نے اپنے بیٹے کو دیکھتے ہوئے اضطرابی انداز میں کہا۔ ''اٹھو بیٹے کیونکہ میرا تجربہ اختتام کو پہنچا اور ان منافقوں کے سامنے مجھے تخت شاہی پر آنے کی دعوت دو۔''

لیکن نہ بیٹا اٹھا اور نہ اس کا تخت چھوڑا۔ اس کی بجائے شاہانہ جاہ و جلال سے گویا ہوا۔ ''تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔تم۔۔۔ جسے خدا نے اتنی بڑی سلطنت سے نوازا تھا۔۔۔ لیکن تم نے اس کی تحقیر کی اور تفریح کی غرض سے ''پنٹ'' چلے گئے؟

بیٹے کی باتیں باپ پر تازیانہ کی طرح پڑیں۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ جیسے دیوانہ ہو کر رہ گیا۔ اس کا مبہوت چہرہ کبھی ادھر گھومتا کبھی ادھر، کبھی اپنے مغرور بیٹے کو دیکھتا کبھی اپنے لالچی آدمیوں کو۔ ضبط کا دامن چھوڑتے ہوئے سبورا ظالمانہ انداز سے برس پڑا۔

''اب میں اس بات کا حق رکھتا ہوں کہ تمہارا سر تن سے جدا کر دوں۔ لیکن میں یہ اب بھی نہیں بھولا ہوں کہ تم میرے باپ ہو۔ اپنی روایات کے برخلاف میں اس جرم کو نظر انداز کرتا ہوں۔ اور تمہارے لئے سینے کو کشادہ کرتے ہوئے ایک دن کی مہلت دیتا ہوں کہ تم تیار ہو سکو۔ اس کے بعد تم کو نوبیا (Nubia) جانا ہوگا۔''

اس کے جلو میں چلنے والے لوگوں کی مدح خوانی گواہی دے رہی تھی کہ بادشاہ سخی تھا، ان کی خاموش زبان سے دعاؤں اور تعریفوں کی پھوار نکل رہی تھی۔ جہاں تک یوسرکف کا تعلق ہے تو اس کی زبان مصیبتوں اور تکلیفوں کے زیر اثر بند تھی، اس کے ہاتھ پاؤں مفلوج ہو رہے تھے۔ اتنے میں اس کے کتے ''ذے'' نے اس کی تکلیف کا احساس کر لیا اور بھونکنے کے ساتھ ساتھ اس کے لباس کو کھینچنے لگا، جو مسلسل سفر کی وجہ سے گرد آلود ہو رہا تھا۔

پھر بادشاہ نے اپنی کمزوریوں پر قابو پایا اور اپنے بیٹے سے پوچھا۔ ''اور ملکہ نے

(Tey)؟''

''وہ اب مصر کی ملکہ ہو کر مطمئن اور خوش ہے۔''

بادشاہ نے طویل سانس لی اور پوچھا۔'' کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اپنے کتے'' ذے'' کو ساتھ لے جاؤں؟''

''میں اس کی اجازت دیتا ہوں۔۔۔اس کے بھونکنے سے مجھے غصہ آتا ہے۔''

چنانچہ بادشاہ نے انتہائی دکھ کے ساتھ مصر کی سرزمین چھوڑ دی۔ وہ اپنی بدنصیبی پر شرمندہ تھا۔ وہ جلاوطنی کی راہ پر چلا تو اس کے پیچھے پیچھے اس کا وفادار کتا تھا۔ بالآخر وہ نوبیا کی سرزمین پر پہنچ گیا جہاں اسنے پہاڑوں کے درمیان تنہائی کی زندگی گزارنی شروع کردی وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس سے بات چیت کی جاسکے۔ جب فکر و تشویش نے اسے گھیر لیا تو وہ تنہا ذات جس نے اسے محبت اور پرہیزگاری عطا کی تھی، اس پر مہربان ہوگئی اور اس کی فریاد کو سن لیا۔

نوبیا کا گورنر اس سے زیادہ دنوں تک بے خبر نہیں رہا۔ اس نے اس سے ملاقات کی اور اپنے یہاں بلایا۔ حالانکہ اس کی طرف سے نہ تو سرگرمی تھی اور نہ پرتپاک خیر مقدم۔ اس نے اپنی پوشیدگی قائم رکھنے میں دیر نہیں لگائی۔ یوسرکف سمجھتا تھا کہ نوبیا میں اس کے قیام کا اسے علم ہوا جو ایک جرم تھا اور اس کے لئے ایک ناقابل تعریف عمل جس کا اثر اس کی ملازمت اور لیاقت پر پڑتا بہرحال گورنر سے ملاقات کے بعد بادشاہ کے دل میں امید کی کرن پھوٹی۔ اس نے گورنر کی بے چینی و بے اطمینانی کو حوصلہ دیا یہاں تک، کہ ناراض اور شاکی گورنر نے افواج کو شمال کی جانب بھیجنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی جس کی قیادت خود فرعون کررہا تھا۔ سہورا نے اپنی افواج کو تیار کیا تاکہ حملہ آور کو خاطر خواہ جواب دیا جاسکے۔ دونوں افواج فیصلہ کن جنگ میں کود پڑیں۔۔۔جس میں یوسرکف کو فتح نصیب ہوئی۔ وہ اپنے ملک میں فاتح بادشاہ کے طور پر داخل ہوا۔ اپنے بیٹے اور دوستوں کو گرفتار

کر کے زنداں میں ڈال دیا۔

جب ملکہ تے (Tey) کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کے سابق شوہر کی افواج کو فتح نصیب ہوئی ہے تو وہ دہشت سے مغلوب ہوگئی اور بالآخر اپنی جان لے لی۔ اس طرح یوسرکف کو یہ موقع نہیں مل سکا کہ وہ خود انتقام لیتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ کسی فیصلے کے لئے تیار نہیں تھا اور اس کی خواہش تھی کہ کسی بھی قیدی کو اس وقت تک سزا نہ سنائے جب تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوجائے اور فتح کا سرور اتر نہ جائے۔ اس نے غور و فکر کے لئے وقت اور معاملات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تاکہ صحیح فیصلہ کر سکے۔ شام کو دیر تک سوچتا اور غور کرتا رہا تاکہ کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

صبح کے وقت اس نے اپنے بیٹے اور دوسرے ساتھیوں کو دربار میں طلب کیا۔ وہ سارے دربار میں ماتھا ٹیک کے نظریں بچاتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ وہ اپنی کاسالیسی اور جی حضوری کے باوجود مغلوب ہوکر اپنی قدر گھٹا چکے تھے۔ بادشاہ کافی دیر تک انہیں دیکھتا رہا، اس کے لبوں پر ناقابل فہم مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے انتہائی پرسکون اور پروقار انداز سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تم لوگوں کو معاف کرتا ہوں۔۔۔ تم سارے لوگوں کو۔"

وہ تمام لوگ حواس باختہ ہوگئے۔۔۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے بادشاہ کو تخت پر بیٹھا ہوا دیکھا پھر ایک دوسرے کو شکی اور متحیر آنکھوں سے۔ بادشاہ فرعون باردگر حیران کن ٹھہراؤ کے ساتھ گویا ہوا۔ "میں جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔۔۔ میں نے تمہیں سچ مچ معاف کردیا ہے۔۔۔ اپنے اپنے عہدوں پر واپس جاؤ اور اپنے فرائض منصبی خلوص اور سچائی سے ادا کرو جس کے لئے میں نے تمہیں مقرر کیا ہے۔"

نوبیا کا گورنر خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ "کیا آپ نے معاف کردیا، میرے آقا۔" اس نے کہا۔ "ان لوگوں کو جنہوں نے آپ کے تخت پر غاصبانہ قبضہ کیا اور آپ کو آپ ہی کی

سلطنت سے بے رحمی کے ساتھ نکال دیا؟ آپ نے انہیں معاف کر دیا، میرے آقا، جن کے لبادوں پر ابھی تک ان کا خون لگا ہوا ہے جنہیں انہوں نے آپ سے جنگ کے دوران قتل کیا؟''

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' میرا نیا جانشین کون ہوسکتا ہے؟ اور سیمن سے زیادہ دیندار راہب کون ہے یا ہورا سے اچھا وزیر یا سمورا سے زیادہ ماہر کمانڈر؟ اگر ملکہ ٹے (Tev) نے خود اپنی زندگی نہ ختم کی ہوتی تو وہ بھی میرے پہلو میں بیٹھی ہوتی اور میں اس بات کو پسند کرتا۔ اور جہاں تک خلوص اور سچائی کا تعلق ہے، میرے عزیز گورنر، تو لوگوں کے متعلق میں اب ایک خراب تر رائے رکھتا ہوں۔ میں تم پر بھی ان لوگوں سے زیادہ بھروسہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ لوگ تو اسی درخت کے سائے تلے بیٹھتے ہیں جس کی پتیاں سرسبز و شاداب ہوں۔ لیکن سردیوں میں جب درخت کی پتیاں گر جاتی ہیں تو وہ اس پر افسوس تک نہیں کرتے بلکہ بے دردی سے کاٹ دیتے ہیں۔ لہٰذا مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر میں ان سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں اس کے علاوہ مجھے کوئی ایسا شخص نہیں دکھائی دیتا جو ان خدمات کو موجودہ لوگوں سے زیادہ بہتر انداز میں ادا کر سکے۔''

اور پھر بادشاہ یوسرکف نے باقی زندگی کسی سے کوئی توقع نہیں کی۔ اسوان محل میں اس کا کوئی قریبی دوست نہیں رہا تھا۔ اور نہ ہی رعایا میں سے کوئی فرد واحد۔۔۔ اسی طرح دوسرے ممالک کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ۔ اگر کوئی شاہی دوست تھا تو وہ اس کا کتا ''ذے'' تھا۔

لاش کی بیداری

The Mummy Awakens

پیش خدمت ہے **کتب خانہ** گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے 👇
https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
📱 0307-2128068
@Stranger ❤️❤️❤️❤️❤️❤️❤️

لاش کی بیداری

میں اس کہانی کو سناتے ہوئے سخت الجھن کا شکار ہوں۔ کیونکہ اس کے چند واقعات قانون قدرت کے یکسر خلاف ہیں اور ان واقعات کی کوئی توجیح بھی نہیں کی جاسکتی۔ اگر یہ کوئی ادبی حکایت یا افسانہ ہوتا تو میں اتنی الجھن محسوس نہ کرتا۔ یہ واقعہ پھر بھی ظہور پذیر ہوا، ایک حقیقت کے طور پر۔ اور اس کا نشانہ ایسا شخص بنا جو مصر کی سیاست اور طبقۂ امراء کا ایک انتہائی اہم رکن تھا۔ اس کے علاوہ اس حکایت کو نیشنل یونیورسٹی کے ایک بڑے پروفیسر نے بھی ریکارڈ کیا ہے اور میری اس کہانی کی کڑی اسی پروفیسر کے ریکارڈ سے جڑی ہوئی ہے۔ اس کے کردار اور اعضاء حسی پر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ ہی واہمہ پر مبنی غیر مہذب کہانی کے لئے اس کی رغبت ہے۔ اس کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ میں خود یہ نہیں جانتا کہ اس پر کیونکر یقین کروں اور نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے ۔ ہمارے وقتوں میں معجزات اور انہونی باتوں کی خواہش بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ہمارے دور کے لوگ کسی بات کو بلا کسی ثبوت اور وجہ کے قبول بھی نہیں کرتے۔۔۔ اگر کوئی چیز منطق استدلال کے ساتھ ہو تو وہ اس کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ جب کہ میری عجیب وغریب کہانی جسے میں اس وقت بیان کر رہا ہوں تصدیق کا مطالبہ کرتی ہے، ایک واضح اور مربوط، ٹھوس تصدیق کا جس کی بنیاد سائنسی ہو جب کہ اس میں بہت سے شبہات ہیں۔ تو پھر کیا

مجھے اسے پیش کرنے میں تذبذب نہیں ہونا چاہیے؟

جیسے کوئی شخص کسی مرئی شے کو تخلیق کرتا ھے اسی طرح یہاں ڈاکٹر ڈورین، پروفیسر آثار قدیمہ ، Fuad University کا بیان یا انھوں نے الفاظ میں جو نقشہ کھینچا ھے، پیش کیا جارھا ھے۔

اس تکلیف دہ دن جب مصر کا قلب ذہنی عذاب اور ملال کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، میں مرحوم محمود پاشا الارنایوتی کے عظیم الشان دیہاتی محل میں ملاقات کے لئے گیا جو بالائی مصر میں واقع ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پاشا بہت سے احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور یہ دوست جب موقع ملتا اس کے پاس آجایا کرتے تھے۔ ان میں فائن آرٹس اسکول کے ہیڈ ماسٹر ایم۔ سوراکس اور دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر پیٹر شامل تھے۔ ہم سب لوگ ایک بہت بڑے اور انتہائی نفیس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کمرہ آرٹ کے بہترین اور منتخب نمونوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں پینٹنگز اور سنگی مجسمے شامل تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ سب فرعونی بانکپن کی لافانی ذہانت کو سیلوٹ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ نیل کی وادی میں دفن ہرنے کے باوجود اندھیروں میں برسہا برس سے روشن وتاباں ہیں، ویسے ہی جیسے آسمان پر خوش ترتیبی کے ساتھ ستارے موجود ہوتے ہیں اور ان کا سفر سیاہ رات میں بھی جاری وساری رہتا ہے۔

مرحوم کا تعلق بڑے امراء میں سے تھا، مصر کے انتہائی مہذب اور شرفا کے شگفتہ مزاج لوگوں میں سے۔ ایک بار ان کے متعلق ان کے ایک دوست پروفیسر لیمپٹر نے کہا تھا کہ ''وہ ایک میں تین شخص ہیں۔'' کیونکہ وہ نسلی اعتبار سے ترک تھے اور قومی اعتبار سے مصری جب کہ ان کے دل اور دماغ میں فرانس بھرا ہوا تھا۔ انسے جان پہچان اور شناسائی ایک اہم بات تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرق میں پاشا فرانس کا ایک بڑا عظیم دوست تھا۔ اور وہ اس ملک کو اپنا دوسرا وطن سمجھتا تھا۔ اس کا سب سے اچھا خوشیوں بھرا دور وہی تھا جسے اس نے وہاں

کے آسمان تلے گزارا تھا۔ اس کے تمام ساتھیوں کا تعلق یا تو نیل کے ساحل سے تھا یا پھر دریائے سین کے کنارے سے۔ اس کے عظیم کمرے میں موجود، میں تصور کر رہا تھا کہ جیسے پیرس میں موجود ہوں۔ فرنچ فرنیچر، فرنچ لوگ، فرانسیسی زبان میں گفتگو، فرانسیسی کھانے وغیرہ وغیرہ۔ فرانسیسی دانشور بس یہ جانتے ہیں کہ وہ ایک فرنچ آرٹ کا دلدادہ شخص ہے یا پھر فرانسیسی زبان کا نغمہ ساز۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں صرف اسے اس حیثیت میں جانتا ہوں کہ وہ فرانس سے محبت کرنے والا، ان کی تہذیب و ثقافت کا دلدادہ، اور ان کی پالیسیز کا ایک مبلغ ہے۔

اس برے دن، میں پاشا کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا جب کہ ایم۔ سوراکس ایک دو انچ کے مجسمے کو پھٹی آنکھوں سے بغور ملاحظہ کرر ہے تھے۔ وہ یک دم بول پڑے ''اے جناب، تمہارا محل ایک ذرا سی تبدیلی چاہتا ہے، پھر یہ ایک مکمل میوزیم کا روپ دھار لے گا۔''

''ہاں، میں اس بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے بے خیالی میں اپنی داڑھی کو چھوتے ہوئے کہا۔'' اس طرح یہ ذہین لوگوں کے اسکول کے لئے ایک مستقل نمائش ہوجائے گا۔ فرانس کے دلدادہ لوگوں کے لئے۔''

پاشا کہنے لگا۔'' میرے ذوق میں یہ ایک بہت بڑا حسین اضافہ ہوگا جو دو مختلف بے لچک اسکولوں کے درمیان زندگی گزار رہا ہے۔ اور جو خوبصورتی سے لطف لینے کی جدوجہد کرتا رہتا ہے چاہے اس کا خالق Paxiteles ہو یا Raphael یا پھر Cezanne۔''

جیسا میں نے کہا، میں ایم۔ سوراکس کو کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ جس کی چھیڑ چھاڑ سے میں لطف لیا کرتا تھا اور کہا۔'' کیا وزارت تعلیم اسے فائن آرٹ کے بڑے کالج میں تبدیل کرسکتا ہے۔ اس طرح انہیں فرانس اور اٹلی میں تعلیمی کمیشن بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور سرمائے کی بچت ہوگی۔''

ایم سوراکس مجھے مخاطب کرنے سے پہلے ہنسے۔''اس طرح وہ فرنچ ہیڈ ماسٹر پر خرچ

ہونے والی رقم کو بھی بچا سکیں گے۔"

لیکن پاشا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اطمینان رکھو میرے پیارے سوراکس۔ اگر یہ ممکن ہوا کہ اس میوزیم کو بالائی مصر سے منتقل کیا جائے تو وہ سیدھا پیرس تک جائے گا۔"

میں نے اس پر حیرت سے نظر ڈالی۔ جیسے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ پاشا کے نوادرات سیکڑوں ہزار مصری پونڈ کے تھے۔ جو سب کے سب فرانس کی جیب میں جائیں گے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سارے نوادرات فرانس کو دینے کے متعلق سوچ رہا ہے۔ جب کہ ہم لوگوں کے لئے یہ خوشی کا مقام تھا لیکن پھر بھی پوچھنے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔

"تم جس بات کا اظہار کر رہے ہو کیا وہ ٹھیک ہے؟"

پاشا نے بڑے ٹھہراؤ کے ساتھ جواب دیا۔ "ہاں میرے دوست ڈورین کیوں نہیں؟"

ایم سوراکس بول پڑا۔ "ہم فرانسیسیوں کے لئے یہ انتہائی خوشی کا مقام ہے، لیکن میں آپ جناب سے کہنا چاہتا ہوں، اور مجھے خوف ہے کہ اس طرح بڑے مسائل سر اٹھائیں گے۔"

میں نے جب ایم سوراکس کی بات کی تائید کی تو پاشا نے اپنی نیلی آنکھوں سے ہم دونوں کو طنزیہ انداز میں دیکھا اور انجان لاعلمی سے کہا۔ "لیکن کیوں؟"

میں نے بلا کسی ہچکچاہٹ کے کہا۔ "کیونکہ پریس کو ایک موضوع مل جائے گا۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم پرست پریس آپ کا پرانا دشمن ہے۔" ڈاکٹر پیئر نے کہا۔ "کیا آپ کو یاد نہیں رہا، یور ایکسیلنسی۔ ان لوگوں کا جانبدارانہ رویہ کہ آپ نے مصری کسانوں کے پیسے، بلا کسی حساب کتاب کے فرانس منتقل کر دیئے؟"

پاشا نے ہولے سانس لیتے ہوئے برخواستگی کے انداز میں کہا۔ "کسانوں کے پیسے۔"

معذرت خواہانہ انداز میں ڈاکٹر نے اضافہ کیا۔ "برائے کرم، مجھے معاف رکھیں پاشا۔۔۔ وہ بھی کچھ کہتے ہیں۔"

اپنے ہونٹوں کو بھینچتے ہوئے، ہزایکسیلنسی نے تکبر سے اپنے نقرئی چشمے کو آنکھوں پر درست کرتے ہوئے کہا۔ میں اس قسم کی عامیانہ مذمت کی پروانہیں کرتا۔ جب تک میری فنی حس محفوظ رہتی ہے اور ان وحشی لوگوں کے درمیان کوئی معجزہ نہیں دکھاتی، اس وقت تک میں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ انہیں یہاں ہمیشہ کے لئے دفن کردیں۔"

میں اپنے دوست پاشا کے مصریوں کے ساتھ رویہ سے آگاہ ہوں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ پچھلے برسوں میں ایک مصری معالج جسے Bey کا خطاب عطا ہوا تھا، وہ اس کے پاس آیا اور اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگا۔ پاشا نے اسے یہ کہتے ہوئے گھر سے نکال دیا "کسان کے بچے کسان یہاں سے بھاگ جاؤ۔" میں یہ نہیں سمجھ پایا کہ پاشا اپنے ملک کے لوگوں سے ایسا رویہ کیوں رکھتا ہے۔

"آپ بہت سخت تنقید کرتے ہیں۔" میں نے اس سے کہا۔

پاشا نے ہنسی کی آواز نکالی۔ "تم، میرے پیارے دوست ڈورین، ایک ایسے شخص ہو جس نے اپنی حسین زندگی کے اوقات کو ماضی کے حوالے کردیا۔ تمہیں شاید اس اندھیرے میں کوئی ذہانت کی کرن نظر آئی ہو اور اس نے تمہاری ہمدردیوں کو ان کے سلسلۂ نسب کی محبت میں تبدیل کردیا ہو۔ تمہیں بھولنا نہیں چاہئے، میرے دوست، کہ مصری لوگ Broad Beans کھاتے ہیں۔

ہنستے ہوئے میں نے مذاقاً کہا۔ "معذرت چاہتا ہوں جناب والا، لیکن کیا آپ کے علم میں ہے کہ انگریزی زبان وادب کے پروفیسر سرمیکنزی نے حال ہی میں اظہار کیا ہے کہ وہ پڈنگ کے ساتھ کافی کے بیج پسند کرتے ہیں۔

پاشا پھر ہنسے۔ ہم نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ اس کے بعد ہزایکسیلنسی نے

کہا۔''تم میری بات کا مطلب سمجھتے ہو لیکن مذاق کر رہے ہو۔ مصری خوش طبع جانور ہوتے ہیں۔ مطیع و فرماں بردار فطرت کے اور ان کے مزاج میں اطاعت گزاری ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے حکمرانوں کے ساتھ غلاموں کی طرح زندگی گزارتے ہیں۔ ہزاروں برس سے بڑا کھانا کھاتے چلے آرہے ہیں۔ ان لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی اگر میں نے یہ میوزیم پیرس کو عطیہ کر دیا۔''

''کیا صحیح ہے یا کیا صحیح نہیں ہے، میں اس بارے میں بات نہیں کر رہا ہوں لیکن حقیقت یہی ہے۔۔۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس بات سے پریشان ہوں گے۔''

سوراکس نے کہا۔''اور ان کے ساتھ ساتھ اخبارات کو بھی پریشانی لاحق ہوگی۔'' اس نے معنی خیز انداز میں اضافہ کیا۔

اس کے باوجود پاشا نے ذرا سی بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ فطری طور پر وہ عوامی چیخ پکار کو خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا۔ اسی طرح اخبارات کی پرفریب خبروں کو۔ شاید اس کی وجہ ٹرکش نسل ہونا ہو۔ اس کی بہت بڑی خرابی اپنی بات سے چمٹے رہنا تھی۔ مصریوں کے لئے اس کا اصرار اور اس کا مشفقانہ انداز۔ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اس سخن سازی کے ساتھ اس کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے ہمیں ایک گھنٹے تک فرنچ کافی کی چسکی لیتے ہوئے مصروف رکھا۔ مصر میں اتنی اچھی کافی کوئی دوسری نہیں تھی۔ اس کے بعد پاشا نے دلچسپی لیتے ہوئے مجھے دیکھا۔''ایم۔ ڈورین، کیا تم نہیں جانتے کہ چھپے ہوئے خزانے کی تلاش میں، میں نے تم سے مقابلہ شروع کر دیا ہے؟''

میں نے الجھن محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔''آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب والا؟''

پاشا نے کھڑکی سے باہر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔'' یہاں سے تھوڑی دور میرے محل کے باغ میں کامیاب کھدائی جاری ہے۔''

ہماری فوری دلچسپیاں ظاہر تھیں۔ ہم جلد ہی اچھی خبر کی توقع کر رہے ہیں۔ لفظ

''کھدائی'' نے میری خصوصی توجہ بڑھادی تھی۔ میں نے یونیورسٹی میں، کھدائی کے کام کو اپنے ہاتھ میں لینے سے قبل اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس کام میں صرف کیا تھا۔۔۔کھدائی کرنا اور مصر کی قیمتی طلسمی زمین کی چھان پھٹک کرنا وغیرہ وغیرہ۔

پاشا کے لبوں پر اب بھی مسکراہٹ تھی، انہوں نے سلسلہ بیان جاری رکھا۔'' مجھے امید ہے کہ آپ لوگ میرا مذاق نہیں اڑائیں گے کیونکہ میں نے وہی کیا ہے جو پرانے وقتوں کے بادشاہ ساحروں اور ماہر شعبدہ بازوں کے ساتھ مل کر کیا کرتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس جانب کیسے متوجہ ہوا لیکن اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ تھوڑی سی، فوق الفطرت باتیں ذہن کے بوجھ اور اس کی سختی کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ اس کہانی کا لب لباب یہ ہے۔ دو دن قبل، ایک شخص جو اس علاقے کا جانا پہچانا آدمی ہے، اس کا نام شیخ جداللہ ہے۔۔۔ یہاں کے لوگ اس کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے کسی راہب کا کیا جاتا ہے (مصر میں ایسے بہت سے راہب ہیں) بہر حال وہ میرے پاس آیا۔ اور میں نے اسے حیرت کے ساتھ قبول کرلیا۔ اس نے اپنے انداز میں مجھے احترام دیتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی روحانی طاقت اور قدیم کتب کے ذریعے معلوم کیا ہے کہ آپ کے باغ کے قلب میں بیش قیمت خزانہ موجود ہے۔ اس نے مجھ سے اجازت چاہی تاکہ اس خزانے کو میری نگرانی میں باہر نکالے۔ سونے اور موتیوں کی کشش نے بھی مجھے اس کی بات تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ وہ سخت آزردہ اور ناراض ہوا کہ میں اسے باہر نکال رہا ہوں۔ اس نے پر اثر درخواستیں کیں اور روتے ہوئے کہا۔''خدائی سائنس کا مذاق نہ اڑاؤ اور ان لوگوں کی توہین نہ کرو جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔'' میں کافی دیر تک ہنستا رہا۔ یہاں تک کہ یکا یک مجھے خیال آیا اور میں نے خود سے کہا۔'' کیوں نہ اس عجیب خیال سے لطف لوں اور اس کے یقین کو پرکھ کر دیکھوں؟ میرا کیا جائے گا بلکہ میرے ہاتھ تو کچھ خاص قسم کی دلچسپیاں آئیں گی۔'' چنانچہ میں نے وہی کیا، میرے دوستو، اور اسے اجازت دے دی۔

''اور اب، پوری سنجیدگی کے ساتھ تمہیں دکھاتا ہوں۔۔۔ اسے جو میرے باغ میں کھدائی کررہا ہے۔ اس کی مدد کے لئے میرے دو آدمی بھی موجود ہیں۔ اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

پاشا نے ان باتوں کو تفریحی انداز میں بیان کیا۔ ہم سب لوگ بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگے۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے تو مجھے ایک ایسا ہی واقعہ یاد آ گیا۔ ''قدرتی بات ہے تمہیں شیخ جداللہ کی سائنس پر یقین نہیں ہوگا۔ میں خود بھی اس پر یقین نہیں رکھتا۔ اور میں یہ نہیں بھول سکتا کہ میں نے خود بڑے راہب ''کامی'' کا مقبرہ اس قسم کی مافوق الفطرت باتوں کے ذریعے آشکار کیا تھا۔''

جو لوگ موجود تھے ان کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور پاشا نے مجھ سے سوال کیا۔ ''پروفیسر، تم جو کچھ کہہ رہے ہو کیا صحیح ہے؟''

''ہاں پاشا۔ ایک دن ایک شیخ، شیخ جداللہ، جیسا، بادشاہوں کی گھاٹی کے قریب، میرے پاس آیا اور بتایا کہ اس نے اپنی کتابوں اور علم کے ذریعے ایک خزانے کی جگہ کا پتہ لگایا ہے۔ ہم نے اس جگہ کی کھدائی شروع کردی۔۔۔ دن ختم ہونے سے قبل ''کامی'' کا مقبرہ ہمیں مل گیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑا ہی روشن اتفاق تھا۔''

ڈاکٹر ویئر نے طنز آمیز قہقہہ لگایا۔ ''تم اس کا سہرا اتفاق کے سر باندھ کر، قدیم سائنس کو کیوں جھٹلا رہے ہو؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ فرعونوں نے اپنے نسبی لوگوں کے ساتھ خفیہ چیزیں دفن کی ہیں جیسے کہ اپنی روایات اور رسم و رواج منتقل کرتے ہیں؟''

ہم لوگوں نے اس قسم کی باتوں سے اپنی توجہ ہٹانی چاہی، کبھی کسی موضوع پر گفتگو کرتے اور کبھی دوسرے۔ اس طرح دلچسپ لمحات گزرتے رہے۔ سورج غروب ہونے سے قبل مہمانوں نے رخصت اختیار کرنا شروع کردی۔ لیکن میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں شیخ جداللہ کی کھدائی دیکھنی چاہتا ہوں جو وہ باغ میں کررہا ہے۔ چنانچہ ہم سب

لوگ ہی کمرے سے نکل گئے۔ اور عقبی دروازے پر جانے والوں کو خدا حافظ کہا۔ ہم ابھی چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ لوگوں کے غل غپاڑے کی تیز آوازیں آنے لگیں۔ اور خدام کا ایک گروپ ہمارے سامنے سے گزرا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ ایک sa'idi (بالائی مصر کے آدمی) کو کالر سے پکڑے ہوئے ہیں اور اسے گھونسوں سے مار رہے ہیں۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے پاشا کے پاس لے آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ ''یورا یکسیلنسی ہم نے اس چور کو ''نیمش'' کا کھانا چوری کرتے ہوئے پکڑا ہے۔''

میں نیمش کو اچھی طرح جانتا تھا۔۔۔ وہ پاشا کا پیارا کتا تھا۔ وہ اس کے لئے خدا کی انتہائی اچھی تخلیق تھی سوائے بیوی اور بچوں کے وہ پاشا کے محل میں عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا جس کی خدمت کے لئے نوکر چاکر موجود رہا کرتے تھے، اس کے علاوہ ہر ماہ ایک مویشیوں کا ڈاکٹر آ کر اس کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ہر دن اسے گوشت، ہڈیاں، دودھ اور یخنی وغیرہ پیش کی جاتی تھی۔ یہ پہلا موقع نہیں کہ بالائی مصر کے کسی شخص نے نیمش کے کھانے کو چوری کیا تھا۔

چور بالائی مصر کا ایک قطعی الگ سا شخص تھا جو قدیم مصریوں جیسا لگتا تھا۔ اس کے جسم کا لباس اس کی بے پناہ غربت کی گواہی دے رہا تھا۔ پاشا نے اسے پر غضب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے غرا کر پوچھا۔ ''تمہیں میرے گھر کے تقدس کو پامال کرنے کی جرأت کیوں کر ہوئی؟''

اس شخص نے جو مار سے بچنے کی جدوجہد کرتے ہوئے ہانپ رہا تھا، انتہائی ملتجی انداز سے جواب دیا۔ ''میں سخت بھوکا تھا جناب والا کہ میری نگاہ پکے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں پر پڑی جو گھاس پر پھیلے ہوئے تھے اور میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔۔۔ میں نے شکرانے کی دعوت کے بعد سے گوشت نہیں چکھا تھا۔''

مجھ سے متوجہ ہوتے ہوئے پاشا نے غصے سے کہا۔ '' تم نے اپنی اور ہماری بدنصیبوں

کے فرق کو دیکھا؟ تمہارے یہاں کے غریب اگر بھوکے ہوں تو روٹی کا ٹکڑا چراتے ہیں جب کہ ہمارے غربا پکے ہوئے گوشت سے کم پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔''

پھر اپنی چھڑی کو ہوا میں لہراتے ہوئے اس نے چور کے کندھے پر بھرپور طاقت سے ضرب لگائی اور خدام پر برستے ہوئے حکم دیا کہ ''اسے لے جاکر چوکیدار کے حوالے کرو۔''

جیسے ہی اسے پکڑا گیا ڈاکٹر پیئر نے ہنستے ہوئے پاشا سے پوچھا۔'' تم کل کیا کرو گے اگر مقامیوں نے شیخ جداللہ کے خزانے سے سونے کی ڈھیریاں غائب کر دیں؟''

پاشا نے برجستگی سے جواب دیا۔'' میں اس کے اردگرد سنتریوں کی قلعے جیسی دیوار کھڑی کر دوں گا۔''

ہم۔۔۔یعنی پاشا اور میں نے دوسروں کو الوداع کہا۔ پھر میں پاشا کے پیچھے خاموشی سے اس جانب بڑھنے لگا جہاں شیخ جداللہ موجود تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ خود کو ایک بڑے ماہر آثار قدیمہ میں تبدیل کر چکا ہے۔ وہ اپنے کام میں پوری طرح منہمک تھا، اسی طرح اس کے مددگار بھی۔ وہ لمبے بیلچوں سے زمین کی کھدائی کرتے ہوئے باسکٹ بھر بھر کے مٹی باہر نکال رہے تھے۔ شیخ جداللہ کی آنکھیں امید کی کرنوں سے چمک رہی تھیں۔ اس کے پتلے پتلے ہاتھوں میں بلا کی طاقت بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی منزل مقصود کو پانے ہی والا تھا جس کی نشاندہی اس کے قیاس نے کی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی خلاف معمول شخصیت نے اسے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔ اس کے اعتقاد اور اس کے طلسم خیال نے۔۔۔ سچ یہ ہے کہ ہم خود اپنے خدا بناتے ہیں اور غیر موجود شے کے وجود کا احساس اور اس پر غیر معمولی فیشن کے مطابق یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا یہ یقین ہی ہے جو دنیا کو انتہائی حسین اور پر تخیل بنا دیتا ہے۔۔۔کیا شیخ جداللہ کے جد۔۔۔ جسا کا چہرہ مجھے قدیم مصری اسفنکس کی یاد دلاتا ہے جو ایک قدیم مصری عالم تھا۔۔۔ وہی انسان کی تہذیب کا بانی تھا۔ کیا اس نے زمین کی سطح پر یکساں حسن و دلکشی نہیں بکھیری؟ اور کیا

اس کے کام اور خیالات میں Osiris اور Amon (مصری دیوتا) کی غیبی امداد نہیں تھی۔ جہاں تک ان کی تہذیب کا تعلق ہے تو اس کا موازنہ ہمارے آج کل کی تہذیب سے کیا جا سکتا ہے۔

ہم کھڑے ہوئے بوڑھے کٹر مذہبی شیخ کو دیکھ رہے تھے۔ پاشا تمسخرانہ انداز میں مسکرا رہا تھا جب کہ میں اپنے خوابوں میں کھویا ہوا تھا۔ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ مٹی کے ڈھیر کے نیچے کیا چیز چھپی ہوئی ہے۔ لگتا تھا کہ محنت رائگاں ہوگی اور پاشا کی بوریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ہمیں برآمدے میں بیٹھ جانا چاہئے۔ میں خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے ہولیا۔ لیکن ہم لوگ بمشکل سیڑھیوں تک پہنچے تھے کہ شیخ جداللہ ہانپتا کانپتا ہمارے قریب آیا۔ ''میرے آقا۔۔۔ میرے آقا۔۔۔ آؤ اور دیکھو۔''

ہم یکایک اس کی جانب گھوم گئے۔ میرا دل شیخ کی اپیل سن کر پراسرار انداز سے دھڑکنے لگا۔ مجھے ایک ایسا ہی بوڑھا شخص یاد آیا جس نے میرے دل کو کامیابی اور ناکامی کے درمیان بانٹ رکھا تھا۔ امید اور ناامیدی کے درمیان۔ ہم نے جلدی جلدی سیڑھیوں کو عبور کیا کیونکہ آدمی جدھر سے آیا تھا اسی طرف جا چکا تھا۔ ہم دونوں اپنی خواہشوں سے دوڑنے کے لئے لڑتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

ہم نے دیکھا کہ تین آدمی ایک بہت بڑے پتھر کو ہلا رہے ہیں جو تقریباً ایک اسکوائر میٹر بڑا تھا۔ ہم جب ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پتھر اتنے ہی بڑے راستے پر رکھا ہوا ہے۔ میں نے پاشا کو دیکھا اور انہوں نے حیرت بھری آنکھوں سے مجھے اس کے بعد ہم نے اس کھلی جگہ کو دیکھا تو اس میں سیڑھیاں نظر آئیں جو ایک راہداری تک پہنچی ہوئی تھیں اور یہ اندر پہنچنے کا راستہ تھا۔ سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا اس لئے میں نے پاشا سے کہا۔ ''ہمارے پاس ایک لالٹین ہونی چاہئے۔'' اس نے ایک ملازم کو حکم دیا جو فوراً ہی لے آیا۔ جب وہ لالٹین لے آیا تو میں نے حکم دیا کہ وہ ہمارے آگے آگے چلے۔ لیکن وہ

ہچکچا رہا تھا۔ میں نے خود اس کے ہاتھ سے لیمپ لے لیا۔ شیخ جداللہ بہر حال اس کے پاس پہنچا۔ اس نے اس شخص کو ہاتھ سے پکڑا اور بڑے عجیب انداز سے زیر لب پڑھنے لگا۔ پھر شیخ پیروں کو جماتے ہوئے نیچے گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا اور دونوں نوکر ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

ہم لوگ ایک زمین دوز راستے پر تھے جو دس میٹر طویل ہوگا۔ اس کی چھت ہمارے سروں سے چند انچ اونچی تھی۔ اس کے فرش میں سیلن تھی جب کہ دیواریں پکے پتھر کی تھیں۔ ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھے یہاں تک کہ اس سنگی دروازے تک پہنچ گئے جس نے مداخلت کاروں کا راستہ روک رکھا تھا۔ اس کی شکل وصورت میرے لئے نامانوس نہیں تھی نہ ہی اس کا مرکز تراشیدہ تھا۔ میں نے اپنی نگاہیں اس پر دوڑائیں، پھر پاشا کو دیکھا۔۔۔ جس سے میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

''یورایکسیلنسی، آپ نے ایک قدیم مقبرہ دریافت کیا ہے۔۔۔ یہاں ''جنرل ہور'' کا مقبرہ ہے جو اٹھارہویں پشت کی ایک طاقتور ترین شخصیت تھی۔

شیخ جداللہ نے بے قراری سے اعلان کیا۔ ''اس دروازے کے پیچھے اہمیت کی حامل چیزیں ہیں۔۔۔ کتابوں کے مطابق جو جھوٹ نہیں بولتیں۔''

میں نے اپنے کندھوں کو ہلایا۔ ''تم اسے جو چاہو کہو۔ اہم بات اسے کھولنا ہے۔''

''خزانے کو کھولنا مشکل ہے۔'' شیخ نے کہا۔

''صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ دروازے کو توڑ دیا جائے، لیکن اس سے قبل طویل دعا کرنی ہے جو میں شروع کرنے والا ہوں۔ یہ دعا صبح تک چلے گی۔۔۔ کیا آپ پاک صاف ہیں؟''

اس کی باتوں کا دونوں نوکروں پر اثر ہوا۔ جنہوں نے پریشانی میں اپنے آقا کو دیکھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ جلد ہی وہ لوگ چھپی ہوئی طاقت کے سامنے ہوں گے۔۔۔ لیکن

نہانے دھونے کا وقت نہیں تھا۔ اس لئے میں نے زور دیتے ہوئے شیخ سے کہا۔ ''ہم اس دروازے تک کلام خوانی کے ذریعے نہیں پہنچے ہیں اس لئے زیادہ مناسب یہ لگتا ہے کہ ہم اسے طاقت سے کھول دیں جیسا کہ ہم نے اس سے قبل بھی ایک ایسے ہی موقع پر کیا تھا۔''

شیخ اعتراض کرنا چاہتا تھا لیکن اسے کوئی بنیاد نظر نہیں آئی جب کہ پاشا نے اسے آڑے ہاتھوں لے لیا۔ میں بالکل خاموش رہا کیونکہ شیخ مجھے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے تھوڑا سا مزید کام کیا۔ میں اپنے خیالات سے باہر آیا اور کام میں ان کی معاونت کرنے لگا۔ اور بالآخر وہ رکاوٹیں دور ہوگئیں۔ ۔ ۔ اور ہم نے اپنے سامنے وہ راہداری دیکھی جو ''ہور'' کی ابدی آرام گاہ تک جاتی تھی۔

چونکہ میں اس قسم کے کام کا ماہر تھا، اس لئے لوگوں کو ہدایت کی کہ تمام لوگ یہیں کھڑے رہیں تا کہ اندر کی ساری ہوا باہر نکل جائے۔ ہم سب لوگ ایک ساتھ منتظر رہے اور انتظار کا یہ گھنٹہ سخت کھنچاؤ کا تھا۔ پاشا الجھن میں مبتلا خاموش کھڑا تھا لگتا تھا جیسے اسے کسی طاقتور خواب میں پکڑ لیا گیا ہو جب کہ دونوں نوکر اس شخص پر نظریں جمائے ہوئے تھے جن پر انہوں نے اعتماد کیا تھا۔ شیخ ہمیں آگاہ کر رہا تھا کہ اس کے یقین کو نہ ماننے سے کیا کچھ ہوسکتا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو شاید میں یہ سوچ رہا تھا کہ میری آنکھیں کیا دیکھنے والی ہیں۔ ''کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس گھڑی کیا ہوسکتا ہے جب عظیم آثار قدیمہ آپ کے ہاتھ آجائے، ایک ایسی چیز جو پیرس میوزیم میں ناقابل فراموش ہو؟'' میں نے سوچا۔

اس کے بعد میں اندر داخل ہوا میرے پیچھے الارنایوتی پاشا، جس کے ساتھ شیخ جداللہ تھا۔ نوکروں نے یہی بہتر جانا کہ وہ باہر راہداری میں ہی کھڑے رہیں۔ لیکن جب لیمپ کی روشنی ختم ہوگئی اور وہاں اندھیرا ہوگیا تو وہ دونوں خوف سے اندر ایک کونے کو دیکھنے لگے۔

کمرہ مدفون بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ باہر سے دکھائی دیتا تھا۔ میں اس سے قبل کئی

بار اسی طرح کا منظر اور قبر کا تعویذ دیکھ چکا ہوں۔

میں نے قبر سے نکلنے والی چیز پر بہ عجلت تمام نظر ڈالی لیکن پاشا نے مجھے غور و فکر نہیں کرنے دیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''اس بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے پروفیسر ڈورین کہ گورنمنٹ کو فوری طوری طور پر مطلع کیا جائے۔''

میں نے اپنی امیدوں کی ناکامی محسوس کی اور جواب دیا۔ ''تھوڑا سا انتظار کرو پاشا، میں اس کا جائزہ تو لے لوں۔''

پاشا کے ساتھ جو میرے دائیں جانب تھا میں ان صندوقوں کے قریب گیا اور پر شوق آنکھوں سے اس کا جائزہ لیا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اسے کھولوں اور ان میں موجود چیزوں کو دیکھوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء، کپڑوں اور جواہرات سے بھرے ہوں گے۔ لیکن یہ سخت دشوار تھا خاص طور سے مجھ جیسے شخص کے لئے کہ میں شاہانہ وقار اور انسانی صناعی کی موجودگی میں خود پر قابو رکھتا کیونکہ جذبات اور احساسات میرے دل میں بھرے ہوئے تھے۔ ہمیں قبر کی تعویذ اور اسٹیچو اور ممی کو نہیں بھولنا چاہئے۔۔۔ کہ اس کی کشش کس طرح سحر زدہ کرتی ہے۔

میں اپنے خیالات سے اس وقت چونک پڑا جب شیخ جداللہ کی چیختی ہوئی آواز سنی ''ہش''۔ میں اس کی جانب گھوما، مجھے غصہ تھا کیونکہ اس گھڑی سرگوشی کی آواز بھی میرے اعصاب کو بری طرح متاثر کرسکتی تھی۔ لیکن اتنے میں وہ احمقوں کی طرح بلند آواز سے بولا۔ ''گوریا'' (ایک گھریلو چھوٹی چڑیا)۔

''یہ چڑیا یہاں کہاں سے آگئی۔ اُو شیخ۔ کیا یہ ہنسی مذاق کا وقت ہے؟'' میں نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''میں نے ایک چڑیا دیکھی ہے جو قبر کی تعویذ پر اپنے پر پھڑ پھڑا رہی تھی۔'' اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

ہم نے قبر کی تعویذ کی جانب دیکھا لیکن ہمیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا۔ نوکروں سے پوچھنا لغو بات ہوتی چنانچہ میں نے اس مقدس شخص سے کہا۔ ''اپنے وہم سے ہمیں معاف رکھو، شیخ جداللہ۔''

پھر میں نے ہنستے ہوئے پاشا سے فرنچ زبان میں کہا۔ ''شاید یہ ka ہو۔۔۔ مرحوم کی روح۔۔۔ چلو ہم اس سے ملتے ہیں۔''

ہم صندوقوں اور دیواروں کو دیکھتے ہوئے مڑے جو میرے دل سے خاموش زبان میں محو کلام تھا، جس نے مجھے اپنی ذہنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ لیکن پھر بھی میں اس پر صحیح طور پر توجہ نہیں دے پارہا تھا۔۔۔ اتنے میں میں نے نوکروں کی دہشت آمیز چیخ سنی۔ ''یور ایکسیلنسی۔۔۔ پاشا۔''

ہم نے برہمی سے فوراً ان پر نظر ڈالی۔۔۔ اور صرف یہ دیکھا کہ وہ وحشت کے ساتھ بھونڈے انداز میں ایک دوسرے کو دبوچے ہوئے ہیں۔ ان کی آنکھیں سر سے نکل کر بڑی بڑی دکھائی دے رہی تھیں اور وہ اس طرح کھلی ہوئی تھیں جیسے مرے ہوئے لوگوں کی ہوتی ہیں، ان کا رخ قبر کی تعویذ کی طرف تھا۔ شیخ جداللہ جہاں تھا وہیں جم سا گیا تھا۔ اس کا ہاتھ لیمپ پر لرز رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اس چیز سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ میں نے قبر کی تعویذ کو دیکھا اور اپنا غصہ فراموش کر دیا۔۔۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں کے پپوٹے اوپر اٹھ رہے ہیں اور ممی (حنوط شدہ لاش) ہمارے سامنے لیٹی ہوئی پڑی ہوئی ہے۔

یہ سب کیا ہے؟ قبر کیسے کھل گئی؟ کیا طویل عرصے تک مشرق میں قیام کی وجہ سے میں اتنا متاثر ہو گیا ہوں کہ میری آنکھیں دغا دینے لگیں ہیں۔۔۔ اور اس درجے کا دغا۔۔۔ یا یہ فریب نظر ہے؟''

لیکن یہ کیسا فریب نظر ہے؟ میں حنوط شدہ لاش (ممی) کو اپنے سامنے دیکھتا ہوں۔۔۔ اور صرف میں نہیں ہوں جو یہ دیکھ رہا ہے۔ ادھر پاشا بھی اٹیچو جیسا ہو گیا۔ اور

دوسرے تینوں اشخاص خوف و دہشت سے قریب المرگ لگ رہے ہیں۔ یہ کیسا فریب خیال ہے؟''

حقیقت یہ ہے کہ میں اس وقت شرمندگی محسوس کرتا تھا جب حالات کوئی دوسرا رخ اختیار کرتے تھے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ میں عام طور پر تفصیل بیان کرتے ہوئے یہ دیکھتا ہوں کہ وہ معقول ہے یا نہیں۔ ایسے پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے ٹیلر، Levy-Brwhl اور Derkheim کو پڑھا ہے وہ معقولیت کو ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں۔ لیکن میں کیا کرسکتا ہوں؟ لیکن وہ اگر میری جگہ ہوتے تو وہ بھی خود کو بھول جاتے۔ کیا وہ حواس باختہ نہ ہوجاتے۔

میں نے کیسا منظر دیکھا تھا؟

میں نے دیکھا کہ حنوط شدہ لاش میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ تیزی سے قبر میں بیٹھ گئی۔ اتنی پھرتی کسی ایسے شخص میں نہیں ہوسکتی جو گہری نیند سو رہا ہو پھر ایسی لاش کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے جو ابھی مردوں کی دنیا سے اٹھی ہو۔ پھر وہ انتہائی برق رفتاری سے متحرک ہوئی، اس کی حرکت کسرتی شخص جیسی پھرتی کے ساتھ ہموار تھی۔۔۔ وہ سیدھی اٹھ کر ہمارے سامنے کھڑی ہوگئی۔

میری پشت نوکروں اور شیخ جداللہ کی طرف تھی اس لئے میں ان کی کیفیت نہیں دیکھ سکا کہ ان پر کیا بیت رہی ہے۔ لیکن کمرے کو روشن رکھنے والی روشنی جس ہاتھ میں تھی وہ بری طرح لرز رہا تھا۔ جب کہ میں مبہوت تھا۔ بہرحال میں اقرار کرتا ہوں کہ میرے ہاتھ پیر اس طرح لرزہ براندام تھے جسے احاطۂ بیان میں نہیں لایا جاسکتا۔۔۔ خوف کا ایک ایسا شکار جس کا مجھے زندگی میں کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ سمجھیں کہ مجھے وہ دہشت ناک دن بھی یاد نہیں آئے جو میں نے مشرق میں جنگ مارنی (Battle Marne) کے دوران گزارے تھے۔ وہ دن کتنے حیرت انگیز تھے۔ وہاں سامنے کوئی حنوط شدہ لاش نہیں تھی؟ یا

کوئی ایسی لاش جس کی زندگی کسی پراسرار طریقے سے واپس آ گئی ہو؟ یا پھر کوئی مصری جنرل جو فرعون کے محل میں داخل ہوتے ہوئے اس کے جاہ وجلال اور اپنی اطاعت گزاری کے سبب تھرّا رہا ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسی قسم کے خیالات، اس وقت مجھ پر بھی چھائے رہے ہوں۔ تاہم میں ان جذبات کو اپنی پوری توانائی کے ساتھ روکے رہا۔ آخر دہشت میں کوئی صحیح رہنمائی کیسے کر سکتا ہے؟ میں اجل گرفتہ دہشت میں مبتلا تھا۔ بہرحال میری آنکھیں اس قابل ضرور تھیں کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ دیکھوں بلکہ ذہن بھی ایسا تھا کہ دیکھی ہوئی چیزیں یاد رکھ سکوں۔

میرے سامنے کوئی ممی یا حنوط شدہ لاش نہیں تھی بلکہ پوری طرح زندہ آدمی تھا۔۔۔ مکمل طور پر آدمیت اور جسمانی طاقت کے ساتھ۔ اسے دیکھ کر ان تصاویر کی یاد آ رہی تھی جو اکثر عبادت گاہوں کی دیواروں پر بنی ہوتی ہیں۔ اس کے جسم پر سفید لبادہ اور شیر کی کھال کا چھوٹا سا کپڑا تھا۔ اس کے عظیم سر پر ایک بڑا سا راہبانہ ٹوپ تھا۔ اس کے چوڑے سینے پر بہت سارے تمغے چمک رہے تھے۔ وہ ایک باوقار اور باعظمت بلندی رکھنے والا شخص تھا۔ لیکن ان تمام تر عظمت وشوکت اور جلال کے باوجود مجھے لگ رہا تھا جیسے میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ پھر مجھے سائڈی (sa' idi) یاد آیا جسے نوکر پکڑ کر پاشا کے پاس لائے تھے اور اس پر الزام تھا کہ اس نے بیمش کتے کا کھانا چوری کیا ہے۔ مماثلت کچھ حوصلہ شکن قسم کی تھی، قد کاٹھ اور رنگت بہرحال اسی جیسی تھی۔ ہمت وحوصلہ یقیناً ویسا نہیں تھا۔

''ہور'' نے اپنی ظالم نظریں پاشا پر مرکوز کر دیں اور پھر اس پر سے نہیں اٹھائیں جیسے وہ اس کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھ رہا ہو۔

آپ حضرات کو کیا بتاؤں؟ میں نے اسے گفتگو کرتے ہوئے سنا۔۔۔ میرے خدا، ''ہور'' نے تین ہزار برس کی خاموشی کے بعد زبان کھولی۔ وہ بھی اسی قدیم زبان میں جیسے موت نے اسے آغوش میں لے کر ہزاروں سال تک محفوظ رکھا ہو۔ میں ایک ایک لفظ جو

اس کی زبان سے نکلا تھا اسے بھولنے سے پہلے دنیا کی ہر بات بھول جاؤں گا۔

اس نے میرے بدقسمت دوست پاشا سے کہا، اور ایسی آواز میں جو میں نے آج تک کبھی نہیں سنی۔۔۔ یہاں تک کہ کسی بادشاہ کو بھی۔

"غلام، کیا تم مجھے جانتے ہو؟ تم میرے سامنے گھٹنوں کے بل کیوں نہیں جھکتے؟"

پاشا کی جانب سے مجھے ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیا، نہ میں اس کی طرف سے اپنی نگاہیں پھیر سکا۔ لیکن مجھے پھر وہ بھاری بھرکم آواز سنائی دی جس نے دوبارہ بولنا شروع کر دیا تھا۔

"میں نے موت کی گرفت میں جاکر کوئی تکلیف محسوس نہیں کی یہاں تک کہ اس دنیا میں حیرت انگیز چیزیں دیکھیں جب کہ میں ابدیت کی زنجیر سے جڑا ہوا اور حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ نہ میں تم تک پہنچ سکتا تھا کیونکہ میری زندگی ختم ہوچکی تھی کیونکہ مصری دیوتا (Oriris) کا یہی حکم تھا۔ لیکن تم خود اپنے دونوں پیروں پر چل کر میرے پاس چلے آئے۔ میں سخت حیرت میں ہوں کہ تم نے کس طرح یہ بیوقوفی کرلی۔ پاگل پن اور گھمنڈ کا تم پر قبضہ تھا۔ کیا تم دیوتاؤں کی ثنا خوانی نہیں کرتے کہ ہم دونوں کے درمیان موت واقع تھی؟ اے غلام تو یہاں کیوں آیا؟ کیا میرے بچوں کو لوٹ کر تیری تسلی نہیں ہوتی... چنانچہ تو میری قبر کو لوٹنے چلا آیا؟ بات کر... تو غلام!"

لیکن وہ غریب کچھ نہ کہہ سکا۔۔۔ جیسے وہ اس کی کوئی بات نہ سمجھ پایا ہو۔۔۔ ایسا لگتا تھا جیسے فالج نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ ہزاروں برس پرانی حنوط شدہ لاش پر زندگی نے دوبارہ قبضہ کرلیا تھا۔۔۔ جب کہ پاشا کی زندگی نے اسے چھوڑ دیا تھا۔

اسی وقت حنوط شدہ لاش نے اپنی مذمت اور ملامت دوبارہ شروع کر دی۔

"تیرے ساتھ آخر معاملہ کیا ہے... تو بات کیوں نہیں کرتا؟ کیا میں **"هور"** نہیں ہوں؟ کیا تو میرا غلام نہیں ہے؟ کیا تجھے یاد نہیں کہ ایک کامیاب

حملے کے دوران میں تیرے ملک کے شمالی حصے میں آیا تھا؟ کیا تو مجھے نہیں پہچاننے کا ناٹک کررہا ہے، غلام؟ تیری سفید جلد غلامی کی علامت ہے... کوئی بات نہیں، تو کب تک انکار کرے گا. یہ تمسخر آمیز لباس کیسا ہے جسے تو نے زیب تن کررکھا ہے؟ اور وہ کونسا جھوٹا فخر ہے جسے تو چھپائے ہوا ہے؟"

''ہور'' کو یقین تھا کہ وہ جان بوجھ کر جواب دینے سے منکر ہے۔۔۔ چنانچہ چیختے ہوئے کہا، اس کی نسیں پھولی ہوئی تھیں، اس کا چہرہ غضب ناک ہورہا تھا۔

"تجھ پر کیا بیتی؟ دنیا کو کیا ہوا کہ پست تر لوگوں کو لارڈ بنا دیا گیا اور جو لارڈ تھے انہیں پستی میں ڈال دیا گیا؟ بادشاہوں کو نیچے لاکر انہیں غلام بنا دیا گیا اور غلاموں کو اٹھا کر بادشاہ بنا دیا گیا؟ تو غلام اس محل کا مالک کیسے بنا. جب کہ میرے بچوں کا پسینہ بہہ رہا ہے اور وہ تیرے نوکر ہیں. ہماری روایات کا ورثہ کہاں ہے؟ وہ مقدس قوانین کہاں ہیں؟ یہ کس قسم کی مضحکہ خیزی ہے؟"

''ہور'' کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اس کی آنکھیں جوش سے سرخ ہوگئیں جس سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

"تو میرے بیٹے سے ایسی گستاخی کیوں کر کرسکتا ہے، تو غلام؟ بے شک تو نے پرتشدد انداز میں اس کی بے عزتی کی جس نے ثابت کردیا کہ تیری فطرت غلاموں جیسی ہے جس کا مظاہرہ تیری فطرت نے کیا ہے. تو نے اسے چھڑی سے مارا، اس لئے کہ وہ بھوکا تھا اور اس کے بھائیوں کے ذریعے بھی اسے پٹوایا. کیا مصر کے بچوں کو کھانا نہیں ملتا؟ تیرا خانہ خراب ہو. ایک قابل نفرت شخص..."

''ہور'' گرج برس چکا تو شیر کی طرح دہاڑتا ہوا پاشا کی طرف بڑھا۔۔۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے اپنا شکار بنالے لیکن بدقسمت پاشا نے اس کا انتظار نہیں کیا۔۔۔ اس کی برداشت کی طاقت ختم ہوچکی تھی۔ وہ بغیر کوئی حرکت کئے زمین پر پڑا ہوا تھا جب کہ ''ہور''

کی جھمیوں نے پورے کمرے کو تہہ و بالا کر رکھا تھا اور ہماری خاطر جمعی درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔ شیخ جداللہ فوراً اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے۔ اس کے ساتھ لیمپ بھی گر گیا اور اس کی روشنی ختم ہو گئی اور کمرے میں دوبارہ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ صدمے کے علاوہ مجھے دہشت کا احساس ہوا جیسے مجھے جان لیوا گھونسہ لگنے والا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرے سر پر حملہ کس طرف سے ہوگا۔ میں نے گھپ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی، میرا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ دہشت اور خطرے کا الارم بج رہا تھا۔ میری قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا جب کہ میری خوش بختی تھی کہ میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور میں بے ہوش ہو گیا۔۔۔ اس طرح دنیا سے غیر حاضر ہو گیا۔۔۔

مائی ڈیئر سر۔۔۔ کبھی کبھی شبہات کے غلبے کے زیر اثر میں الجھن میں پڑ جاتا ہوں۔ اور خود سے سوال کرتا ہوں، کیا میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ حقیقت تھی یا پھر فریب؟ شاید میری فطرت ہے کہ میں کبھی کبھی خود سے جھوٹ بولتا ہوں۔ میرا مقابلہ ان حقائق سے ہوتا ہے جس پر میرا کنٹرول نہیں ہوتا۔ آپ کیا کہتے ہیں، مثال کے طور پر شیخ جداللہ کا بیان، ایک جیتا جاگتا شخص جو تیار بھی ہو اور اس بات کا اہل بھی کہ وہ میرے بیان کو دہرا دے؟ اور آپ کا جواب ان دونوکروں کے متعلق کیا ہوگا جو پاگل ہو گئے؟ پھر ''ہور'' کا مقبرہ اور ویران ہو جانے والا محل؟ سب سے بڑھ کر محمود پاشا الارنایوتی کی موت۔۔۔ جس واقعے کو اخبار میں حضرات اور خود پریس نے انتہائی حیرت کے ساتھ یاد رکھا ہوا ہے؟

سینوہی کی واپسی

The Return of Sinuhe

سینوہی کی واپسی

فرعون کے محل کے ہر حصے میں ناقابل یقین خبر گردش کررہی تھی۔ جسے ہر کان توجہ سے سن رہا تھا اور ہر گپ شپ میں اسے دہرایا جارہا تھا۔۔۔ کہ سرزمین اموریٹ سے مصر میں ایک قاصد آیا ہے اور فرعون کے نام شہزادہ ''سینوہی'' کا خط لایا ہے، جو چالیس برس قبل بغیر کسی اطلاع کے غائب ہوگیا تھا اور اس کی گمشدگی نے لوگوں کو سخت پریشان کررکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادے نے بادشاہ فرعون سے اپنے گزشتہ عمل کی معافی چاہی تھی اور اس بات کی اجازت کہ وہ اپنے آبائی وطن واپس آجائے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کو تنہائی میں گزار کر پرسکون انداز میں اپنی موت کا انتظار کرسکے۔ فوراً ہی شہزادہ ''سینوہی'' کی گمشدگی کی کہانی لوگوں کو یاد آگئی پھر انہیں اپنے بیروز کی بھولی بسری باتیں یاد آگئیں جو اب بوڑھے اور بڑھاپے کے نزدیک پہنچ چکے تھے۔ بڑھاپا بڑی بیدردی سے انہیں اپنے چنگل میں دبوچ رہا تھا۔

ان گئے وقتوں میں (چالیس سال قبل) ملکہ جوان تھی اور شہزادی کی حیثیت سے فرعون امینم ہت ا (Pharaoh Amenemhat-1) کے محل میں رہائش پذیر تھی جیسے گلاب کے اونچے درخت میں کوئی انتہائی خوبصورت پھول کھلا ہوا ہو۔ اس کے حسین جسم پر نوجوانی کا چغہ اور ایک شال ہوا کرتی تھی۔ اس کا غیر مادی شعور نیکی اور شرافت سے

چمکتا رہتا تھا۔ اس کی نکتہ سنجی اور ظرافت، اس کی ذہانت سے جھلکتی رہتی تھی۔ دونوں عظیم شہزادے اس کے گرویدہ تھے یعنی اس وقت کا وارث تخت (اور اس وقت بادشاہ) شہزادہ ''سن ووسرٹ ا'' اور شہزادہ سینوہی (Prince Senwosret.1 and sinuhe) دونوں شہزادے۔ طاقت اور نوجوانی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان میں ہمت بھی تھی اور شجاعت بھی، محبت بھی تھی اور وفاداری بھی۔ ان کے قلوب چاہت سے لبریز تھے اور روح اخلاص سے بھری ہوئی۔ لیکن اب وہ دونوں ایک دوسرے کی صحبت سے انتہائی پریشان تھے، یہاں تک کہ غصے میں کوئی ظالمانہ عمل بھی کر سکتے تھے۔ اس بات کا علم جب فرعون کو ہوا کہ وہ جذبات کے زیر اثر کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں اور ان کا باہمی برادرانہ تعلق ٹوٹ سکتا ہے۔ تو اسے سخت تشویش ہوئی۔ اس نے شہزادی کو بلایا اور طویل گفتگو کے بعد حکم دیا کہ وہ محل کے اپنے حصے میں رہا کرے اور کسی قیمت پر اسے نہ چھوڑا کرے۔

اس نے دونوں شہزادوں سے بھی صاف گوئی اور دوٹوک انداز میں کہا۔ ''تم دونوں پر آزار ہو، کم بختی کے مارے ہوئے، جس نے جلد بازی میں حماقت کی۔۔۔ اپنے ساتھی شہزادوں کو خود پر ہنسنے کا موقع فراہم کیا اور لوگوں میں تمسخر کا ذریعہ بنے۔۔۔ ایک دانا حکیم نے کہا تھا کہ کوئی شخص اس وقت تک انسان کہے جانے کا مستحق نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے غصے اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کا اہل نہ ہو۔ کیا تم دونوں نے گونگے بہرے وحشیوں اور محبت کے مارے احمقوں جیسا عمل نہیں کیا؟ تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ شہزادی ابھی تک تم دونوں کے درمیان الجھن کا شکار ہے۔۔۔ اور اس وقت تک الجھن میں مبتلا رہے گی جب تک تم دونوں میں سے کسی کے حق میں فیصلہ نہ کر لے۔ لیکن میں تم لوگوں سے کہوں گا کہ تم لوگ اپنی رقابت کو ختم کر کے ایک مضبوط معاہدہ کرو جو کسی طرح بھی نہ ٹوٹ سکے۔ اور یہ کہ تم میں سے ہر ایک اس کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کر لے گا، وہ فیصلہ جو بھی ہو اور تم دونوں کے بھائی چارے میں چاؤ اور وفاداری کے سوا کچھ نہیں ہونا

چاہئے۔۔۔نہ اندرونی طور پر اور نہ بیرونی طور پر۔اب تمہیں وہ مشغلہ ختم کر دینا چاہئے؟'

اس کے لب و لہجے نے تذبذب کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ دونوں شہزادوں نے خاموشی کے ساتھ اپنے سر خم کر دئے۔فرعون نے ان سے ایک معاہدے پر قسم لی اور ہاتھ ملایا۔اس کام کے بعد وہ دونوں اچھے جذبات کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔

اس واقعے کے فوراً بعد لیبیا کے قبائل کے درمیان بغاوت پھوٹ پڑی اور امن و امان کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔فرعون نے ان کی سرکوبی کے لئے افواج بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کی سربراہی شہزادہ سن ووسرٹ کے سر آئی جو بظاہر وارث تخت تھا۔ اس نے شہزادہ سینوہی کو ایک برگیڈ کی کمان سونپ دی۔فرعون کی افواج نے لیبیا والے باغیوں سے کئی مقامات پر مقابلہ کیا اور انہیں اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ بھاگ نہ گئے۔ دونوں شہزادوں نے بہادری اور جرأت کا ایسا مظاہرہ کیا جو یقیناً ان کے شایان شان تھا۔ وہ بس اپنا مشن ختم ہی کرنے والے تھے کہ وارث تخت نے اپنے والد کی موت کا اعلان کر دیا یعنی فرعون امینم ہت اکا۔

جب یہ اندوہناک خبر شہزادہ سینوہی تک پہنچی تو اس کے دل میں وسوسوں نے سر اٹھایا کہ نیا بادشاہ اس کے ساتھ جانے کیا سلوک کرے گا۔ بدگمانیوں نے اسے گھیر لیا اور وہ انتہائی مایوس ہو گیا۔۔۔ چنانچہ وہ بلا کسی انتباہ کے بھاگ کھڑا ہوا اور ایسا لگا کہ جیسے صحرا کی ریت نے اسے نگل لیا ہے۔

سینوہی کی قسمت کے متعلق مختلف قسم کی افواہیں پھیلنی شروع ہو گئیں۔ کچھ نے کہا کہ وہ کسی دور دراز گاؤں میں چلا گیا ہے۔ دوسروں نے کہا کہ وہ لیبیا میں قتل کر دیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ محبت میں ناکامی کے باعث خودکشی کر چکا ہے۔ غرض اس سے متعلق کہانیاں کافی عرصے تک پھولتی پھیلتی رہیں۔ لیکن بالآخر لوگوں کی زبانیں تھک گئیں اور ان قصوں کہانیوں کو وقت کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔ اور پھر چالیس سال تک ان پر

تاریکی کا پردہ پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ''اموورٹ'' سے ایک قاصد شہزادہ سینو ہی کا خط لے کر نہ آ گیا۔ اور بھولی بسری کہانیاں دوبارہ جاگ اٹھیں۔

بادشاہ سن ووسرٹ نے غیر یقینی آنکھوں سے خط کو بار بار دیکھا۔ اس نے ملکہ سے بھی مشورہ کیا جس کی عمر 65 سال ہو چکی تھی۔ ان دونوں نے اتفاق کے ساتھ شہزادہ سینو ہی کے پاس امورا قاصدوں کی ایک ٹیم بھیجی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے۔ شہزادہ سینو ہی کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ بحفاظت تمام پورے اعزاز کے ساتھ مصر آ جائے۔

فرعون کے قاصدوں نے شمالی صحرا کو عبور کیا اور سارے تحائف کے ساتھ اموورٹ پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ واجب التعظیم بوڑھے شخص کے ساتھ جس کی عمر 75 برس تھی واپس آئے۔ جب ان کا قافلہ اہرام مصر کے قریب سے گزرا تو اس کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ اور غم واندوہ کے بادلوں نے اس کی آنکھوں میں اندھیرا کر دیا۔ اس وقت وہ بدوؤں کے لباس میں تھا۔ اون کے پٹوں والی سینڈل اس کے پیروں میں تھی۔ اس کی کمر سے ایک تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے سینے پر لمبی اور سفید داڑھی لہرا رہی تھی۔ غرض ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے مصری کہا جا سکے۔۔۔ ہاں جب کشتی بانوں کے کلمات اس کے کانوں میں پہنچے تو اس کی آنکھیں خواب ناک ہو گئیں اور خشک لب تھرتھرانے لگے، سانسوں کی آمد و شد سینہ کوبی کرنے لگیں اور وہ رو دیا۔

قاصد تمام باتوں سے لاعلم تھے، انہوں نے تو بس یہ دیکھا کہ اس نے خود کو دریا کے کنارے گرایا اور جذباتی انداز میں زمین کو چومنے لگا جیسے وہ زمین کو نہیں بلکہ اپنی محبوبہ کے گالوں کا بوسہ لے رہا ہے۔ جس سے وہ طویل عرصے تک بچھڑے رہنے کے بعد آج ملا ہے۔

قاصد اسے لے کر فرعون کے محل میں پہنچے۔ وہ بادشاہ سن ووسرٹ I کے روبرو ہوا جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور کہا۔

''اللہ تمہیں اس کا اجر دے، اے بلند مقام بادشاہ، کہ تو نے مجھے معافی کے قابل سمجھا۔۔۔ اور اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ میں مصر کی مقدس سرزمین پر واپس آؤں۔''

فرعون نے اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے، بلند آواز سے کہا۔'' کیا حقیقتاً تم ہی ہو؟ تم میرے بھائی اور بچپن سے نوجوانی تک کے ساتھی۔۔۔ شہزادہ سینوہی؟''

''تمہارے سامنے وہی ہے میرے آقا۔ صحرا اور چالیس برسوں نے شہزادہ سینوہی کا کیا حال کر دیا ہے۔''

اپنا سر ہلاتے ہوئے، بادشاہ نے اسے انتہائی خلوص اور احترام کے ساتھ کھینچتے ہوئے کہا۔''ان چالیس برسوں کے دوران تم پر کیا بیتی؟''

شہزادہ سیدھا کھڑا ہوا اور اپنی کہانی سنانے لگا۔

''میرے آقا، میری کہانی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب مغربی صحرا میں تم نے عظیم المرتبت والد کی موت کا اعلان کیا تھا۔ اس وقت شیطان نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور بدی نے مجھے دہشت میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ میں نے خود کو ہواؤں کے سپرد کر دیا جو مجھے صحراؤں، قصبوں، دریاؤں میں لئے اڑی حتیٰ کہ میں نے جہنم کے عذاب اور پاگل پن کی سرحدیں عبور نہ کر لیں۔ لیکن جلاوطنی کی سرزمین پر میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جس نے مجھے عزت و احترام دیا۔ میرا سامنا جب بھی کسی مشکل سے ہوتا تو میں فرعون کے متعلق سوچنے لگتا۔۔۔ اس طرح دکھ میرا پیچھا چھوڑ دیتا۔ بہر حال میں ادھر ادھر گھومتے پھرتے تباہ ہو رہا تھا کہ ''امورا'' میں ٹونو قبائل کے سردار تک میرا احوال پہنچا جس نے مجھے ملاقات کے لئے بلوالیا۔

''وہ ایک عظیم سردار تھا جو مصر سے بے پناہ محبت کیا کرتا تھا۔ اس نے مجھ سے اس طرح گفتگو کی جیسے میں بھی کوئی حاکم ہوں۔ اس نے مجھ سے میرے وطن کے لئے سوال کیا

تو میں نے وہ ساری باتیں بتا دیں جو میرے علم میں تھیں۔ میرے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ پیش کیا جسے میں نے قبول کرلیا۔۔۔ اور سوچنے لگا کہ میں اب اپنی مادر وطن کو کبھی نہیں دیکھ پاؤں گا۔ کچھ دنوں بعد، میں۔۔۔ جو فرعون کی مشہور رتھ کا سوار مقرر ہوا تھا اور بڑھتے بڑھتے لیبیا اور نوبیا کی جنگوں میں پروان چڑھا تھا۔۔۔ وہ ٹونو کے دشمنوں کے تاخت و تاراج کرنے کا اہل ہوگیا۔ ان دشمنوں پر غلبہ پانے کے بعد میں نے قیدیوں، عورتوں، اسباب، ان کے اسلحہ جات وغیرہ اور مویشیوں پر قبضہ کرلیا اور میرا مرتبہ مزید بڑھ گیا۔ سردار نے مجھے اپنی افواج کا سربراہ بنا دیا، مزید یہ کہ سردار نے مجھے اپنا جانشین اور وارث بھی نامزد کردیا۔

''میرے سامنے بڑے چیلنجوں میں سے ایک صحرا کے چوروں سے نمٹنا تھا۔ وہ لوگ انتہائی سفاک تھے، ان کا نام سن کر بڑے بڑے بہادر بھی ڈر جایا کرتے تھے۔ انہوں نے میرے گھر پر یلغار کردی تاکہ میرے بال بچوں اور مال و اسباب پر قبضہ کرلیں۔ مرد، عورتیں اور بچے سب ہی چوک کی طرف دوڑ پڑے تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ ان دو دشمنوں کی لڑائی کا کیا انجام ہوتا ہے۔ میں لوگوں کی تالیوں، وسوسوں کے درمیان کافی دیر تک لڑتا رہا۔ اس کی کلہاڑی سے بچتے ہوئے میں نے مہلک تیر سے وار کیا جو اس کی گردن میں لگا۔ بیدم ہوتے ہوئے وہ زمین پر آ رہا۔ حلق کے زخم سے وہ مرگیا۔ اس دن کے بعد سے میں اس علاقے کا غیر متنازعہ حاکم بن گیا۔

''پھر میں نے اپنے نسبتی والد کی موت کے بعد ان کی جگہ سنبھال لی اور قبیلے پر تلوار کے ذریعے حکومت کرنے لگا جیسا کہ صحرا کی روائت ہے۔ اور پھر دن، موسم اور سال ایک کے بعد دوسرے گزرتے رہے۔ میرے بیٹے بڑھ کر مضبوط و توانا جوانوں میں بدل گئے۔ وہ دشت و بیاباں کے علاوہ کسی چیز سے آگاہ نہیں تھے کیونکہ وہ وہیں پیدا ہوئے، وہیں کی طرز زندگی، وہیں کی خوشیاں اور موت کو ہی جانتے تھے۔ کیا میرے آقا کو نہیں معلوم کہ میں

مصر سے لاتعلقی کے بعد کیسے کیسے مسائل سے دوچار ہوا؟ میں خوف اور تشویش سے ادھر ادھر پھرتا رہا اور ذہنی آزار اور مصیبتوں نے پریشان کئے رکھا حالانکہ محبت کی اور بچے بھی پیدا ہوئے جس کے ساتھ بارہا خوشی و مسرت کے لمحات بھی آئے۔ لیکن پیرانہ سالی اور کمزوری نے بالآخر مجھے دبوچ لیا چنانچہ میں نے اپنے اختیارات اپنے بیٹوں کے حوالے کیا اور اپنے خیمے میں جا کر وقت گزارنے لگا۔

''تنہائی اور اکیلے پن نے مجھے دل کے درد میں مبتلا کر دیا اور میں سخت پریشان رہنے لگا کیونکہ مجھے مصر کی حسین وادیاں یاد آنے لگیں، زرخیز کھیل کا میدان جس میں میرا بچپن اور نوجوانی کے دن گزرے تھے۔ آرزو نے مجھے بیتاب کر دیا، خواہشات نے دل میں سر اٹھایا۔ میری آنکھوں کے سامنے نیل کے مناظر گھومنے لگے، اس کے اردگرد پھیلی ہوئی انتہائی شاندار ہریالی اور خوبصورت ترین آسمان اور فلک بوس عظیم اہرام، بلند و بالا چوپہلو مخروطی ستون، ہر گھڑی بس انہی کا تصور رہنے لگا، پھر مجھے خوف محسوس ہوا کہ میں مصر کے علاوہ کسی دوسری جگہ رہوں گا اور موت میرا کام تمام کر دے گی۔

''چنانچہ میں نے تمہارے پاس ایک قاصد روانہ کیا، میرے آقا۔۔۔ اور میرے آقا نے مجھے معاف کرتے ہوئے عزت واحترام سے بلوالیا۔ میں کچھ اور نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ مجھے کہیں کونے میں تھوڑی سی جگہ مل جائے تاکہ میں وہیں اپنا بڑھاپا گزار سکوں اور میرا وقت مقرر آجائے۔ اس کے بعد میری لاش حنوط کی جائے اور قبر میں ڈال دیا جائے، جو مردوں کی جگہ ہوتی ہے۔ مصر کی ماتم کرنے والی پیشہ ور عورتیں چیخ چیخ کر لمبی آہ کھینچتے ہوئے آہ و بکا کریں گی اور لحن میں روئیں پیٹیں گی۔۔۔

فرعون نے سینوہی کی کہانی توجہ سے سنی اور اس کی کامیابیوں پر خوشی کا اظہار کیا۔ سینوہی کے شانوں کو ہلکی تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ''جو چاہو وہ تمہارا ہے۔'' بادشاہ نے اس کے بعد محل کے ایک منتظم کو بلایا تاکہ وہ شہزادے کو محل کے اس حصے میں لے جائے جو اسی کا ہے۔

شام ہونے سے قبل ایک قاصد آیا اور کہا کہ ملکہ کو تمہاری ملاقات سے خوشی ہوگی۔ سینوہی فوراً اٹھ کھڑا ہوا تاکہ اس سے ملاقات کرے۔ اس کا بوڑھا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ قاصد کے ساتھ چلتے ہوئے اس دل گرفتہ نے خود سے کہا۔ ''اے آقا، کیا یہ ممکن ہے کہ میں اس سے پھر ملوں گا؟ کیا واقعی اس نے مجھے یاد رکھا ہوگا؟ کیا اسے سینوہی یاد ہوگا، جوان شہزادہ اور اس سے محبت کرنے والا؟''

وہ اپنے کمرے سے اس طرح نکلا جیسے کوئی نیند میں چلتا ہے۔ چند سیکنڈوں میں وہ اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں تو اپنے پرانے ساتھی کو دیکھا جس کے نوجوان حسین چہرے کو برسوں کے روز و شب نے کملا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے سابقہ حسن و جمال کے صرف آثار ہی باقی بچے تھے۔ اس کے سامنے احتراماً جھکتے ہوئے اس کے لبادے کے کنارے کو چوما۔ پھر ملکہ اپنی حیرت کو بلا چھپائے مخاطب ہوئی۔ ''یا خدا، کیا یہ سچ مچ ہمارا شہزادہ سینوہی ہے؟''

شہزادہ بنا ایک لفظ کہے مسکرایا۔ وہ ابھی تک خود پر قابو نہیں پا سکا تھا کہ ملکہ نے کہا۔ ''میرے آقا نے تم سے ہونے والی گفتگو سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ میں تمہارے کارناموں اور سخت ترین جدوجہد سے متاثر ہوئی حالانکہ اس بات پر افسوس بھی ہوا کہ تمہیں اپنے بیوی بچوں کو وہیں چھوڑ دینا پڑا۔''

''اللہ تم پر رحم کرے ملکہ عالیہ۔'' سینوہی نے جواب دیا۔ ''میری بچی کھچی زندگی میرے آزار کو بڑھا رہی تھی جب کہ اپنے پیارے مصر کے باہر مرجانا میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔''

عورت نے ایک لمحے کے لئے اپنی نگاہیں نیچی کیں۔ پھر اسے اٹھاتے ہوئے جس میں خواب بھرے ہوئے تھے، انتہائی دردمندی سے کہا۔ ''شہزادہ سینوہی تم نے ہمیں اپنی کہانی سنادی لیکن کیا ہماری کہانی سے آگاہ ہو؟ تمہیں شبہ تھا کہ تمہارا رقیب، جو تم پر فوقیت

رکھتا تھا، وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسی لئے تم نے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا اور ہواؤں کے ساتھ اڑتے ہوئے امورا کے صحرا میں پہنچ گئے۔ تم نے یہ تک نہ سوچا کہ تمہارے جانے سے تمہیں اور اسے کتنی تکلیف پہنچے گی جس سے تم محبت کرتے ہو؟''

سینوہی کے چہرے سے الجھن آشکار تھی لیکن اس نے اپنی خاموشی نہیں توڑی۔ ملکہ کہتی رہی۔ ''تمہیں اس بات کی خبر نہیں کہ لیبیا جانے سے قبل، وارث تخت شہزادہ نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا: شہزادی، میرا دل کہہ رہا ہے کہ تم نے اس شخص کا انتخاب کرلیا ہے جسے تم پسند کرتی ہو۔ برائے کرم مجھے حقیقت سے آگاہ کردو، یہ میرا وعدہ ہے کہ ہم دونوں اس سے نہ صرف مطمئن ہوں گے بلکہ مخلص بھی رہیں گے۔ میں اس معاہدے اور قسم کی ہمیشہ پاسداری کروں گا۔''

ملکہ نے خاموشی اختیار کرلی۔ سینوہی نے آہ بھرتے ہوئے سوال کیا۔ ''کیا تمہاری اس سے بے تکلفی تھی ملکہ؟''

ملکہ نے سر ہلا کر اقرار کیا، پھر اس کی سانس کا احتجاج بڑھ گیا۔ سینوہی، چالیس سال کے سفر سے ہانپ رہا تھا لیکن وہ اپنی جوانی میں واپس آ کر ملکہ پر دباؤ ڈالنے لگا۔

''پھر تم نے اسے کیا جواب دیا؟''

''کیا واقعی تمہیں میرے جواب سے دلچسپی ہے؟ چالیس سال گزر جانے کے باوجود؟ اور اس کے بعد جب تمہارے بچے بڑے ہو کر ٹوٹو قبیلے کے سردار ہو چکے ہیں؟''

اس کی تھکی ہوئی آنکھوں سے حیرانی اور الجھن کی چنگاریاں نکل رہی تھیں، اس نے لرزاں آواز میں کہا۔ ''مقدس آقا کی قسم، یہ میرے لئے انتہائی ضروری ہے۔''

وہ اس کے چہرے کو دلچسپی اور اہمیت کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اور مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیسی عجیب سی بات ہے، او سینوہی لیکن تمہاری خواہش پوری ہو جاتی۔ میں اس جواب کو دوبارہ نہیں ادا کرسکتی جو تم چالیس سال پہلے سنتے۔ سن ووسرٹ نے مجھ سے بے

تکلفی سے پوچھا تھا چنانچہ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں اسے چاؤ اور دوستی ہی دے سکتی ہوں لیکن جہاں تک میرے دل کا تعلق ہے۔۔۔''

ملکہ تھوڑی دیر کے لئے رکی۔ سینوہی نے دوبارہ اوپر دیکھا، اس کا دل ملامت کر رہا تھا، اس کے چہرے سے صدمہ اور مایوسی عیاں تھی۔ پھر وہ بار دگر گویا ہوئی۔''جہاں تک میرے دل کا تعلق ہے۔۔۔تو میں اس پر قابو نہیں پا سکتی۔''

میرے خدا۔ شہزادہ بڑبڑایا۔

''ہاں، میں نے سن ووسرٹ سے یہی کہا تھا۔۔۔اس نے جاتے ہوئے خدا حافظ کہا۔۔۔اور یہ کہ وہ جب تک سانس ہے تمہیں اپنا بھائی سمجھتا رہے گا۔

''لیکن تم جلد باز تھے سینوہی، اور ہواؤں کے ساتھ دوڑ پڑے۔ تم نے ہماری امیدوں اور آرزوؤں کا گلا گھونٹ کر ہماری خوشیوں کو زندہ درگور کردیا۔ تمہارے چلے جانے کی خبر جب مجھ تک پہنچی تو مجھے بڑی مشکل سے یقین آیا۔۔۔میں صدمے سے قریب المرگ ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے کئی برسوں تک کے لئے گوشہ گیری اختیار کرلی۔ پھر بالآخر میرے غموں پر زندگی غالب آگئی۔ اس کی محبت نے مجھے مایوسیوں اور درد کی بے کلی سے آزاد کردیا۔ میں نے بادشاہ کو اپنے شوہر کے طور پر قبول کرلیا۔ یہ میری کہانی ہے، او سینوہی۔''

وہ اس کے چہرے کو دیکھنے لگی اور اس نے اپنی آنکھوں کو صدمے سے جھکالیا۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ وہ خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کو سراہتی رہی اور خود سے کہا۔'' کیا ہماری بہت پرانی محبت کی کسک اس دل میں اب بھی قائم ہوسکتی ہے جب کہ اس کی دھڑکن اپنے اختتام پر ہو۔''

دوسرے جہان کی آواز

A Voice From The Other World

دوسرے جہان کی آواز

(i)

یا خدا۔ یہ مقبرہ اپنی پرانی زندگی سے کن اچھائیوں کی خواہش رکھتا ہے؟ یہ تو زندگی کے جوہر کا علاحدہ کیا ہوا معطر اور پرآسائش حصہ ہے۔ اس کی دیواریں خدام اور غلام لڑکیوں کے مناظر سے بجی ہوئی ہیں۔ اس میں انتہائی پرتعیش فرنیچر اور ارفع قسم کی تزئین و آرائش ہے۔ یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کوئی شخص شاندار ساز وسامان، خوشبو اور سجاوٹ کی اشیاء کی خواہش رکھتا ہے۔ اس میں ایک اسٹور ہے جو بیجوں، پھلوں اور سبزیوں سے بھرا ہوا ہے، اسی طرح جیسے میری لائبریری عقل وشعور سے پر کتابوں سے بھری ہوئی ہے اور ایک ادیب کو لکھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ میری جانی پہچانی دنیا کی طرح ہے۔ لیکن میرے حواس کیا اب بھی زندگی کا مزہ لے رہے ہیں؟ کیا میں اب بھی اپنی توجہ ہٹانا چاہتا ہوں؟ جن لوگوں نے اس گھر کو مُردوں کے لئے تعمیر کیا تھا ان کی محنت اکارت گئی۔ میں اب بھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا، حالانکہ یہ عجیب سا لگتا ہے، کہ میری لکھنے کی خواہش ختم نہیں ہوئی ہے۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔ وہ کیا چیزیں ہیں جو مجھے چھوڑ کر گئی ہیں اور پکار کر مجھے لبھا رہی ہیں؟ کیا اب بھی کچھ حصے ایسے ہیں جن کی خواہشات اور جذبات کا موت کچھ نہ بگاڑ سکی ہو کیا ہم، لکھنے والی جماعت یا قوم، کو کوئی ایسی سزا دی گئی

ہے کہ ہم دونوں زندگیوں میں اپنی کارکردگیوں کا خمیازہ بھگتیں؟ بہرحال کچھ بھی ہو میرے پاس اب بھی انتظار کی گھڑیاں باقی ہیں جس کے بعد میں بقائے دوام کا سفر شروع کروں گا۔ چنانچہ مجھے اس بیکار وقت کو سرکنڈے کے قلم کے ساتھ گزارنے دو کیونکہ اکثر یہی قلم میرے خالی بیش قیمت وقت کی قدر بڑھانے کا سبب بنا ہے۔

یا خدا! کیا مجھے وہ دن یاد نہیں جس نے میری دنیا کو زندگی اور موت کے درمیان ٹکڑے کرکے بانٹ دیا تھا؟ ہاں، اس دن میں نے سورج غروب ہونے سے ذرا قبل شہزادے کا محل چھوڑا تھا جب کہ اپنی کوششوں میں بری طرح منہمک تھا اور شہزادے نے مجھ سے کہا تھا۔ ''ٹاٹائے، بہت کام ہو چکا۔۔۔ خود کو ہلکان نہ کرو۔'' آفتاب مغربی افق کی جانب بڑھتا جا رہا تھا اور سائے طویل تر ہو چکے تھے۔ اس کی مدھم روشن کرنیں موت سے قبل کپکپاتے ہوئے مقدس نیل کی سطح پر پڑ رہی تھیں۔ میں اپنے راستے پر چلا جا رہا تھا جس کے جنوبی حصے میں انجیر کے درخت تھے اور قریب ہی وہ گاؤں تھا جس میں میرا پیارا گھر واقع تھا۔

او مقدس دیوتا! میرے جوڑوں اور ہڈیوں میں یہ کیسا درد ہے؟ اس کی وجہ کام کے دوران میری کوششیں نہیں ہیں۔ میں تو اکثر، بغیر ایک لمحہ رکے اسی طرح کام کرنے کا عادی ہوں۔ میں نے تو ہمیشہ اسی دھن کے ساتھ پرسکون انداز میں کام کیا ہے، تھکاوٹ کے باوجود طاقت اور عزم سے کام لیتا رہا ہوں۔ یہ کیسا تباہ کن درد ہے؟ اور یہ طاقتور لرزش کیسی ہے۔۔۔ ایک نئی اور غیر متوقع چیز؟ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ یہ بے کلی وہ ہو سکتی ہے جو جسم میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب صورت حال مہلک ہو؟ گاؤں کی سڑک ختم ہو جا۔۔۔ کیونکہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں تیرے حسن کی کشش سے لطف لے سکوں۔ ختم ہو جا، آسمانی علامت، کہ ٹاٹائے کے سینے میں کوئی ایسی چیز نہیں اور نہ کوئی ایسی خواہش کہ تجھے بلانا پڑے۔

میں ہیبت ناک تکلیف میں سڑک پر چلتا رہا کہ دیکھو کہاں ختم ہوتی ہے۔ میرے گھر کے دروازے پر میری بیوی کا چہرہ۔۔۔ میری بیوی، میری نوجوانی کی ساتھی اور میرے بچوں کی ماں۔۔۔ میری جانب بڑھی۔ ''میرے پیارے ٹاٹائے تم اتنا کانپ کیوں رہے ہو؟ تمہاری آنکھوں میں اتنی اذیت کیوں ہے؟'' وہ رودی۔۔۔ میں نے درد و تکلیف سے اسے آگاہ کیا۔ ''اے میری ہمسفر! مجھے اللہ جانے کیا ہوگیا ہے۔ تمہارے شوہر کے جسم میں کوئی پرآزار بیماری داخل ہوگئی ہے۔ بستر ٹھیک کرو اور مجھے اڑھادو۔ اور لوگوں کو بتادو کہ ٹاٹائے صاحب فراش ہے۔ اپنے خدا سے دعا کررہا ہے، اس کے ساتھ تم بھی اس کی صحت کے لئے دعا کرو۔''

وہ مجھے پکڑ کر بستر پر لے گئی اور ڈاکٹر آیا تاکہ مجھے دوا دے۔ اس نے آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اے عظیم رائٹر ٹاٹائے، اے ہز ہائینس شہزادے کے ملازم، اب خدا کو تیری ضرورت ہے۔ اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا کر۔'' اور میں اسی طرح وہاں پڑا رہا، نہ تو مجھ میں طاقت تھی اور نہ کوئی کارگر تدبیر۔ اومقدس دیوتا جس کا شعور بلند و بالا ہے! کیا میں ہز ہائینس شہزادے کے ہمراہ فرعون کی آرمی کے ساتھ شمال کی جانب نہیں گیا تھا؟ کیا میں زاہی اور نوبیا کے صحراؤں میں لڑی جانے والی جنگ کا گواہ نہیں ہوں؟ کیا میں جرأت مندانہ مہم کے دوران قدیش میں نہیں تھا؟ یقیناً تھا، اے آقا، میں نے تیروں کے ذریعے، رتھ کے ساتھ اور جنگ کے ذریعے اپنے جوہر دکھائے۔ تو پھر موت کس طرح مجھے اپنے پیارے اور محفوظ گاؤں میں، دھمکا سکتی ہے وہ بھی میری بیوی بچوں اور میری ماں کے سامنے؟ اس دوران مجھ پر بخار کی دھند چھاگئی اور غنودگی کا اضافہ ہوگیا۔ اور میری زبان سے مہمل آوازیں نکلنے لگیں اور میں نے محسوس کیا کہ موت کا ہاتھ میرے دل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اے موت تم کتنی ظالم ہو! میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے دونوں پیروں اور پتھر جیسے دل کے ساتھ اپنے ہدف کی جانب بڑھ رہی ہو۔ تم اپنے کام سے نہ تو تھکتی ہو اور نہ عاجز آتی

ہو۔ آنسوؤں سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگاتے، تم کبھی رحم نہیں کھاتیں اور نہ ہی امیدیں تمہاری ہمدردیاں اجاگر کرتی ہیں۔ تم ہمارے چھوٹے سے دل کو پاؤں تلے مسل دیتی ہو۔ تم ہماری خواہشات اور خوابوں کو نظر انداز کر دیتی ہو۔۔۔ اور تم اپنے طے شدہ کام کو کبھی تبدیل نہیں کرتیں چاہے تمہارا شکار نوجوان اور کتنا ہی چاق و چوبند کیوں نہ ہو۔ ناناۓ اپنی عمر کے 26 ویں برس میں ہے اور وہ بیٹوں اور بیٹیوں کا باپ ہے۔۔۔ کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا؟ آخر تمہارا کیا جائے گا اگر تم میری سانسوں کو بخش دو کہ وہ میرے سینے میں دوبارہ جا آسکیں؟ تم میرے پیچھے اس وقت پڑی ہو جب میں اپنی خوبصورت اور پیاری زندگی گزار رہا ہوں۔ زندگی نے تو مجھے کبھی کوئی ذہنی آزار نہیں دیا اور نہ کبھی اجتناب برتا۔ میں نے اس سے ہمیشہ اپنے دل کی گہرائیوں کے ساتھ محبت کی۔۔۔ اور اس وقت بھی وہی اہم تر ہے۔ میری صحت ہمیشہ اچھی رہی، میرے پاس پیسے بھی بہت رہے، میری خواہشات اور امنگوں کی بھی کوئی حد نہیں۔ کیا تم نے ان چیزوں کا خیال نہیں کیا؟ میرے قریب موجود لوگوں کے دلوں میں محبت ہی محبت بھری ہوئی ہے۔ کیا ان کی آنسوؤں سے لبریز آنکھوں میں تجھے وقار اور دیوتا نظر نہیں آئے؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے میں نے اپنی زندگی کا صرف ایک گھنٹہ ہی گزارا ہے۔ میں نے اس کے کتنے مناظر دیکھے ہیں؟ اس کی کتنی آوازیں سنی ہیں؟ کتنی سانسوں کو پڑھا ہے؟ اس کے کتنے آرٹس سے لطف لیا ہے؟ اس کا کون سا رنگ اڑے گا؟ کل کون سے مواقع ضائع ہو جائیں گے؟ کون سی سرخوشی نابود ہو جائے گی؟ کون سے جذبات کی شدت میں کمی آ جائے گی؟ کون سی مسرت غائب ہو جائے گی؟

یہ ساری چیزیں مجھے یاد آئیں۔ میری حیات جاودانی میں، دوسری چیزیں اس طرح یاد آئیں کہ ان کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ یہ سب باتیں ماضی کی خواشگوار یادیں اور اس وقت کا سحر اور مستقبل کی تمنا، میرے سامنے گھومتی رہیں۔ پھولوں کی بھرمار، لہلہاتے ہوئے میدان، بہتا ہوا پانی، اڑتے ہوئے بادل، کھانا پینا، نغمے، ذہن میں قائم منصوبے، محبتیں،

میرے پیارے بچے، شہزادے کا محل، فرعون کی تقاریب اور وہ پیسے جو مجھے ملتے تھے اور میڈلز اور ٹائٹل، عزت و وقار، شہرت و ناموری سب کچھ میرے ذہن کے پردے پر نمودار ہوا۔ اور میں سوچنے لگا کہ یہ تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی؟

میرے دل نے سینے میں ضربیں لگانا شروع کر دیا۔ میں دکھ اور رنج سے لبریز ہو گیا۔ میرے تمام متاثر اعضا چیخ اٹھے۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا!''

شب اپنے ورثے کے ساتھ آ گئی اور سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میری بیوی میرے سرہانے موجود تھی، میری ماں پائینتی بیٹھی ہوئی تھی۔ نصف شب آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی جب کہ میں اپنی اسی کیفیت میں رہا۔ پھر صبح کی پو پھوٹتے ہی گیدڑوں نے مجھے چونکا دیا۔ اس کے بعد کچھ عجیب سے بے ہنگے خوف نے مجھ پر اپنا تسلط جما لیا۔ پھر کچھ مہیب سی خاموشی چھا گئی۔ میں نے اپنے پاؤں پر ماں کا ہاتھ محسوس کیا جس میں کپکپاہٹ تھی اور وہ کہہ رہی تھی ''میرے بیٹے، میرے بچے۔'' میری بیوی نے خوف بھری آواز میں چیختے ہوئے کہا ''ناناۓ، تم کیسے ہو؟'' لیکن میں جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔ یقیناً کسی چیز نے ان کے وسوسوں کو بڑھا دیا تھا۔ کیا اس نے اس چیز کو دیکھ لیا تھا؟ کیا میرے چہرے سے خطرے کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں؟ میری خواہش کے برخلاف میری نگاہیں کمرے کے دروازے پر گئیں۔ دروازہ بند تھا، اس کے باوجود (Messenger) موت اندر آ گئی۔ وہ اندر آئی اور اسے دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ میں اس سے واقف تھا حالانکہ اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ حیات بعد موت کا فرشتہ تھا بلا کسی چاہت کے۔ وہ پرجلال خاموشی کے اور پرکشش حسن کے ساتھ میرے قریب آیا اور میری نگاہیں اس پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ میں اسے بہت اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ میں اسے چیخ کر پکارنا چاہتا تھا لیکن میری زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا وہ میری اندرونی خواہشات جاننا چاہتا ہے، اس کی مسکراہٹ بڑھ گئی تھی، میں نے اسے پہچان لیا اور وہ میرا رفیق اور ہمراہی

تھا۔ اس گھڑی میرے دماغ میں کوئی دوسری بات نہیں رہی۔

رات کی سرگوشیاں، میری تکالیف، میری کمزوریاں، سب ہی جاتی رہی تھیں اور میں نے اپنے اردگرد بہنے والے آنسوؤں کو نظر انداز کردیا کیونکہ میں نے خود کو بہت اچھی کیفیت میں پایا جس میں مکمل تحفظ تھا، ایسا کہ میں نے اس سے قبل کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔ میں نے خود کو لاانتہا محبتوں کے حوالے کرتے ہوئے اپنے جسم کو تنہا جدوجہد کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں نے کسی مشکل کے بغیر دیکھا کہ میری رگوں میں خون مدافعت کر رہا ہے، میرا دل دھڑک رہا ہے اور بھرپور کوشش کر رہا ہے، میرے عضلات اور پٹھے میں کھنچاؤ ہوا اور پھر ست پڑنے لگے۔ میری سانس کی رفتار تیز ہوگئی، میرا سینہ کبھی اوپر ہوتا اور کبھی نیچے۔ میں نے محسوس کیا کہ محبت بھرے ہاتھوں نے مجھے کمر سے پکڑ کر بٹھایا۔ میں نے اپنے اندر اور باہر کی ساری چیزیں دیکھیں، مجھے کوئی فکر تھی اور نہ تشویش۔ پھر مجھے لگا کہ فرشتے کی توجہ مجھ سے ہٹ کر براہ راست میرے جسم پر پڑی تا کہ وہ اپنا مشن اعتماد اور یقین کے ساتھ پورا کرسکے۔ اس کے خوبصورت ہونٹوں پر قائم مسکراہٹ اسی طرح موجود رہی۔ میں نے دیکھا کہ زندگی کی مقدس روشنی نے خود کو اس کے حوالے کردیا اور میرے پاؤں، میری پنڈلی، میری ران، میرے پیٹ، میرے سینے کو چھوڑ دیا اور ان میں موجود خون منجمد ہوگیا اور ہاتھ پاؤں اکڑ گئے اور دل نے اپنی حرکت بند کردی۔ میرے کھلے ہوئے منہ سے ایک گہری سانس خارج ہوگئی۔۔۔ میری لاش خاموش اور بے حرکت ہوگئی اور میں ابدی زندگی میں چلا گیا۔ اور فرشتہ جیسے میرے پاس آیا تھا ویسے ہی واپس ہوگیا اور کسی کو کوئی خبر نہیں ہوئی۔۔۔ مجھے ایک انوکھا اور نامانوس احساس ہوا کہ میں نے اپنی زندگی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اور اب میرا دنیا والوں سے کوئی واسطہ نہیں۔

(ii)

مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا کہ میں سچ مچ مر چکا ہوں اور اب دنیا والوں سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا اور یہ چیز میرے جذبات پر پوری طرح حاوی ہوگئی۔ میں ابھی تک اپنے کمرے میں موجود تھا، اور کمرہ بھی پہلے جیسا ہی تھا تو ہوا کیا؟ مجھ میں کس قسم کی تبدیلی واقع ہوئی؟ میری ماں اور میری بیوی میرے جسم پر جھکی ہوئی تھیں۔ اس وقت ایک واقعہ ہوا جس پر میں کوئی شبہ نہیں کرسکتا اور یہ انتہائی عجیب بات تھی۔ مجھے کوئی حیرت بھی نہیں تھی، اگر میں اپنی بیوی کی بات کا جواب دینے کا اہل ہوتا جب اس نے مجھ سے پوچھا کہ ''ناٹائے تمھیں کیا ہو رہا ہے؟'' تو میں جواباً کہتا۔ ''میں مر رہا ہوں۔'' لیکن میں قوت گویائی اور دوسری چیزوں سے بیگانا ہو چکا تھا۔ مجھے حیرت نہیں تھی، جیسا کہ میں نے کہا، جب میں نے موت کی گہرائی محسوس کی۔۔۔ وہ ایسی تھی جیسے بستر نیند کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔۔۔ میں پوری طرح آگاہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ بلا خوف و شبہہ کہا جاسکتا ہے کہ موت نہ تو تکلیف دہ ہوتی ہے نہ خوفناک، جیسا کہ زندہ رہتے ہوئے تصور کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اس حقیقت سے واقف ہوتے تو اسے اسی طرح پسند کرتے جیسے پرانی شراب کو دوسری پر ترجیح دیتے ہیں۔ مرنے والے کو نہ کوئی افسوس ہوتا ہے نہ کوئی رنج۔ اس کے برخلاف جب ایک شخص حدافق کا براہ راست مشاہدہ کرتے ہوئے الوہی نور سے سیراب ہوتا ہے تو اسے زندگی ایک غیر اہم اور بے مصرف سی چیز لگتی ہے۔ جیسے میں پہلے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا لیکن اب وہ ٹوٹ پھوٹ کے الگ ہوگئی ہیں۔ میں کسی چیز کے اندر بند تھا لیکن اب آزاد ہوں۔ میں زمین پر ایک بار تھا، پھر میں نے اس وزن سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔ میری وضع محدود تھی لیکن اب کھنچ کر طویل تر ہوگئی ہے۔ میرے حواس حدود کے پابند تھے اب لامحدود ہوگئے ہیں۔ میں سب کچھ دیکھ سکتا ہوں اور سب کچھ سن سکتا ہوں اور سب کچھ سمجھ سکتا ہوں اور ہر چیز کا مشاہدہ کرسکتا ہوں اور فوراً کہ میرے اوپر کیا ہے، میرے نیچے کیا ہے، میرے اردگرد

کیا ہورہا ہے۔۔۔اور میرا اپنا جسم میرے سامنے پڑا ہوا ہے تا کہ وہ ایک قطعی نئی شکل اختیار کرے۔ اور یہ تبدیلی یکا یک ظہور میں آئی ہے۔ مجھے اب بھی یہی محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اس کمرے کو نہیں چھوڑا ہے جس میں میں نے اپنی پرانی زندگی کے انتہائی خوشگوار لمحات گزارے تھے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنے سابقہ جسم کا اس وقت تک کے لئے نگراں مقرر ہوا ہوں جب تک کہ وہ اپنی آخری منزل تک نہیں پہنچ جائے۔

چنانچہ میں اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں کا بغور مشاہدہ کر رہا ہوں اور مجھے کوئی خوف بھی نہیں ہے۔ کمرے کا ماحول درد اور اداسی میں ڈوبا ہوا ہے۔ میری ماں اور بیوی دونوں میری لاش پر مصروف ہیں۔

میرا پرانا جسم۔۔۔اپنی جانی پہچانی شکل وصورت میں، بلا کوئی حرکت کیے بستر پر پڑا ہوا ہے۔۔۔ اس دوران اس کی رنگت سفید ہوچکی ہے جس میں خفیف سے نیلاہٹ بھی ہے۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے بند ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں بے زور ہیں۔ بچے اور ملازمین اسے پکار رہے ہیں، وہ سب چیخ کر رو رہے ہیں۔ آنے والے اس پر آنسو بہا رہے ہیں اور اس وقت تک بہاتے رہتے ہیں جب تک کہ غم واندوہ سے تھک کر چور نہ ہو جائیں۔ میں انہیں بے دلی سے دیکھتا ہوں، جیسے میں ایک دن بھی ان کی قربت میں نہیں رہا۔ یہ لاش کیا چیز ہے؟ یہ لوگ آخر اتنا بین کیوں کر رہے ہیں؟ یہ کونسی بدنصیبی ہے جس نے ان کے چہروں کو گھناؤنا اور تباہ حال بنادیا ہے؟ نہیں۔ میں اب دنیا کا کوئی فرد نہیں رہا ہوں، اور ان کے آنسو یا عزاداری مجھے پرانی شکل میں نہیں لاسکتی۔ میری خواہش یہ ہے کہ ان سے میرا جو بندھن ہے وہ ٹوٹ جائے تا کہ میں اپنی نئی سلطنت میں پرواز کرسکوں لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پیارے میری آزادی کے ایک دنیاوی حصہ پر ابھی تک قابض ہیں۔ اور میں اس بوجھ کو اتار کر پرسکون ہوں۔ اتنے میں میری ماں ایک چادر لے آئی کہ اس سے میرے مردہ جسم کو ڈھانک دے۔ اس گھڑی میرے بچے اور ملازمین

باہر چلے گئے۔ ماں نے میری بیوی کا ہاتھ پکڑا اور کمرے سے باہر چلی گئی اور جاتے ہوئے دروازہ بند کردیا۔ اس کے باوجود وہ مجھے دکھائی دیتی رہیں کیونکہ دیواریں میری بصارت کے راستے میں حائل ہونے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ میں انہیں دیکھتا رہا کہ انہوں نے تبدیلی پوشاک کے بعد سیاہ ماتمی لباس پہن لیا ہے۔ اس کے بعد وہ گھر کے صحن میں پہنچیں، اپنی چوٹیوں کو کھولا، سر پر خاک ڈالی، پاؤں سے چپلیں اتاریں اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھیں۔ وہ چیختے چلاتے اپنے دونوں رخساروں کو پیٹتے ہوئے باہر نکلیں۔ میری ماں پکارے جارہی تھی ''میرا بیٹا۔۔۔ میرا بیٹا۔'' اور میری بیوی چیخ رہی تھی۔ ''او میرے سرتاج۔'' پھر وہ دونوں ایک ساتھ غمناک انداز میں چیخیں۔ ''تم پر خدا رحم کرے، او غریب ٹاٹائے۔۔۔ موت نے تیری نوجوانی کا خیال بھی نہ کیا۔''

وہ گھر سے اسی کیفیت میں نکلیں روتے اور آہیں بھرتے ہوئے۔ یہاں تک کہ راستے کا پہلا گھر آگیا۔ اس گھر کی عورت گھبراتے ہوئے ان کے پاس آئی۔ ''اے بہنو تم لوگ کیوں پریشان ہو؟'' اس نے پوچھا۔ دونوں عورتوں نے جواب دیا۔ ''ہمارا گھر تباہ ہوگیا۔ ہمارے بچے یتیم ہوگئے! ماں کو بیٹے کی جدائی (موت) کا صدمہ ہے! بیوی بیوہ ہوگئی! اللہ تجھ پر رحم کرے، او ٹاٹائے!'' عورت نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ ''او دل قرار پکڑ! او نوجوان تو نہ رہا! اے امیدو تم ختم ہوگئیں۔'' وہ بھی ان دونوں عورتوں کے ساتھ ہولی۔ وہ اپنے سروں پر خاک ڈالتی اور اپنے رخساروں پر تھپڑ مارتے آگے بڑھیں۔ وہ جس گھر پر جاتیں اس گھر کی عورت باہر آکے ان لوگوں میں شامل ہوجاتی، اس طرح عورتوں کا جمگھٹا ہوگیا۔ ان میں سے ایک عورت جو سوگ اور عزاداری کا تجربہ رکھتی تھی، اس نے عورتوں کی قیادت سنبھال لی اور جلوس آگے بڑھا۔ وہ مسلسل میرے نام کو لحن سے ادا کرتیں اور فنون لطیفہ میں میری مہارت کا ذکر کرتی رہیں۔ وہ سب گاؤں کے مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے، ہر مقام پر آہ و بکار کرتی رہیں۔ وہ سب میرے نام کو ماتمی

انداز میں ادا کر رہی تھیں لیکن مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؟

ہاں، مجھے میرا نام بیگانا سا لگ رہا تھا ویسے ہی جیسے میرا مردہ جسم۔ میں سوچنے لگا کہ آخر یہ سب کچھ کب ختم ہوگا؟ پھر شام کے وقت لوگ آ گئے۔ چیخ پکار اور بین کے خاتمے کے بعد میرے مردہ جسم کو اس جگہ لے گئے جہاں لاشوں کو حنوط کیا جاتا ہے اور مقدس کمرے کے درمیان ایک سلیب پر رکھ دیا۔ کمرہ کافی لمبا اور چوڑا تھا جس میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ سلیب جس پر مجھے رکھا گیا تھا وہ کمرے کے وسط میں تھا اور اس کے چاروں جانب شیلف میں مختلف قسم کے کیمیکل بوتلوں میں رکھے ہوئے تھے۔ درمیان میں سورج کی روشنی کے نیچے ایک بڑی ناند میں کوئی معجزاتی قسم کا سیال بھرا ہوا تھا۔ دو آدمیوں کے علاوہ باقی لوگ باہر چلے گئے۔ یہ دونوں ماہرین میں سے تھے جیسا کہ ان کی پھرتی اور چابکدستی سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک تسلہ لے آیا جسے نیچے سلیب کے قریب رکھ دیا۔ پھر انہوں نے مردہ جسم پر موجود کپڑوں کو علیحدہ کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ پورا جسم برہنہ ہو گیا۔ اس کام کو ان لوگوں نے خاموشی کے ساتھ بلا کسی تردد کے انجام دیا۔ پھر اس شخص نے جو تسلہ لایا تھا میرے سینے اور ہاتھ کے مسلز کو چھوتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو، یہ ایک مضبوط آدمی تھا۔'' دوسرے نے جواب دیا۔ ''وہ ٹاٹائے تھا، شہزادے کے آدمیوں میں سے ایک۔ کھانے پینے کی اشیاء کے عوض وہ جنگ کی مشکلات کو بہادری کے ساتھ جھیلا کرتا تھا۔'' تسلہ لانے والے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ '' کیا کسی کا ایسا جسم ہو سکتا ہے؟'' دوسرے نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''تم بوڑھے آدمی، ایک لاش کی کیا اچھائی؟'' لیکن فوراً ہی سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایک مضبوط آدمی تھا، یقیناً تھا۔۔۔''

دوسرے شخص نے جو ابھی تک ہنس رہا تھا، شیلف سے ایک تیز اور لمبا چاقو اٹھایا اور کہا۔ ''چلو دیکھتے ہیں کہ وہ اب کتنا مضبوط ہے!'' اس نے سینے کے بائیں حصے میں چاقو پیوست کیا اور اس کے بلیڈ کو کولھے تک لے گیا۔ پھر اس کے اندر اپنا ہاتھ ڈال کر کچھ کرتا

رہا، کبھی کسی چیز کو پکڑتا کبھی کسی چیز کو کھینچتا، یہاں تک کہ دوسری چند چیزوں کے ساتھ معدہ بھی باہر نکال دیا اور اسے تسلے میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح دل اور کلیجی وغیرہ نکال کر معدے کے ساتھ ساتھ رکھ دیا۔ تھوڑی ہی سی دیر کے اندر میرے تمام اندرونی اعضا میرے سامنے پڑے ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ لاش کو حنوط کرنے کے ماہر تھے۔ میں نے اپنے تمام اعضا کا بغور معائنہ کیا، خاص طور سے معدے کا جس کے متعلق مجھے علم تھا کہ وہ ہمیشہ مضبوط اور فعال یا مستعد رہا تھا۔ میری بصارت کی طلسمی طاقت کا شکریہ کہ میں اس کے ہر ہر حصے اور ہر چیز کو صاف طور سے دیکھ رہا تھا۔ چاول، انجیر اور بچی ہوئی شراب جسے میں نے کل شب شہزادے کی ضیافت میں کھایا پیا تھا۔ مجھے اس کے الفاظ یاد آئے جب اس نے کل مجھے اشارے سے بلاتے ہوئے کہا تھا " کھاؤ اور پیو، نانائے ۔۔۔ زندگی سے لطف لو، انتہائی قابل اعتبار شخص!" میں نے دیکھا تھا اور مجھے یاد تھا۔ مجھے کوئی احساس تھا اور نہ اس کا اثر۔ میرے رویئے پر کوئی ردعمل بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے دل پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ اس میں عجیب وغریب چیزوں کی دنیا بھری ہوئی ہے۔ جذباتی محبت کی تباہی، رنج وافسوس اور غصہ، دوستوں اور پیاروں کی شبیہ، اور دشمنوں کی بھی جن کے لئے مجھے آتش شوق اور عیش و آرام کو چھوڑ کر، اپنی ہمت و جرأت کے مظاہرے کے لئے "ذاہی" اور "نوبیا" کی جنگوں میں جانا پڑا تھا۔ ان جنگوں میں میں نے انتہائی ہولناک مناظر دیکھے تھے خون میں ڈوبے جسم، جسم سے الگ ہاتھ پیر ۔۔۔ رحم سے عاری جدوجہد کے آثار ۔۔۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا خاندانی پلاٹ بھی حاصل کرلیا جس پر میرا ایک پڑوسی برسوں تک قابض رہا تھا۔ اپنے دل میں مجھے بھرپور زندگی بھی دکھائی دی اور وہ خواہشات جس نے مجھے ملول کیئے رکھا تھا۔

اس دوران ماہرین سکون کے ساتھ اپنا ماہرانہ کام کرتے رہے۔ انہوں نے ایک نوکدار تنک نکالا جسے انتہائی احتیاط کے ساتھ میری ناک میں ڈال دیا یہاں تک کہ وہ اپنے

ہدف تک پہنچ گیا۔ پھر بہ عجلت تمام، انتہائی بے دردی اور طاقت کے ساتھ انہوں نے میرا بڑا بھیجا یا دماغ باہر نکال لیا جس میں سے دلدلی کثافت کا مادہ خارج ہونے لگا، اس میں سے میرے منصوبوں اور امیدوں کے ذرات اور میرے خواب دھوئیں کی طرح ہوا میں اڑنے لگے۔ یہ میرے اپنے خیالات تھے جو میری آنکھوں کے سامنے موجود تھے۔ لیکن جب میں نے انہیں حقیقت کی روشنی میں پرکھا، جیسا کہ میری روح نے اس وقت دیکھا تو وہ بہت ہی گھٹیا اور فضول لگے۔ یہ صورت حال جس میں میں اس گھڑی ہوں، اس نے انہیں باہر رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کوشش میں کتنے سر کامیاب ہوتے ہیں!

''میں یہاں ہوں۔'' جوش خطابت سے پرنظم جسے میں نے ''قادش'' کی جنگ کے دوران کمپوز کی تھی۔ اور یہ وہ تقریریں ہیں جسے میں نے عوامی اجتماعات میں شہزادے کے سامنے کی تھیں۔ اور یہ رہے زبان وادب پر میرے خیالات، اور اجرام فلکی کا مطالعہ جسے میں نے Qaqimna کی کتابوں سے یاد کیا تھا۔ یہ سب چیزیں اس نے میرے دماغ سے نکال دیں۔ انہوں نے معدے اور آنتوں کو اس ٹب میں رکھ دیا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔۔۔ ان حصوں کی کوئی گنتی نہیں جو زمین پر گر گئے تھے تاکہ وہ پیروں سے روندے جائیں۔ ''اب مردہ جسم اچھی طرح سے صاف ہو چکا تھا۔'' ماہرین میں سے ایک نے ہک کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''جب تم مرے تو تمہیں ایک ایسا ہی ماہر ہاتھ ملے گا جیسا تمہارا اپنا ہے۔'' اس کے دوست نے کھلکھلاتے ہوئے اضافہ کیا۔ اس وقت دونوں ماہرین نے میرے جسم کی باقیات اس ناند میں ڈال دیں جس میں طلسمی محلول بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ہاتھ دھوئے اور پھر کمرے سے باہر چلے گئے۔ اس دوران میں نے سمجھ لیا کہ اب یہ کمرہ ستر (70) دنوں سے پہلے نہیں کھلے گا۔۔۔ یہی حنوط کا پیریڈ ہے۔ مجھے کچھ بے آرامی سی محسوس ہوئی۔ خیالات نے کہا کہ میری روح کو باہر کی دنیا میں جانا چاہئے تاکہ میں ایک نظر اپنی آخری رخصتی پر ڈال سکوں۔

(iii)

میری روح کی پرزور خواہش تھی کہ دنیا میں جائے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس طرح کہیں حقیقتاً جانا نہیں تھا بلکہ مجھے تو بس کسی مقام کے متعلق سوچنا تھا، اس سوچ کے ساتھ ہی وہ چیز یا منظر میرے سامنے آجاتا تھا۔ حقیقت انتہائی واضح ہوتی، میری نظریں غیر معمولی ہوچکی تھیں۔۔۔ کوئی شے بصارت سے باہر نہیں تھی۔ یہ تبدیل ہوکر انتہائی طاقتور ہوچکی تھیں جو راستے کی ہر رکاوٹ کے اندر سے گزر کے دوسری طرف نکل جانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں چاہے وہ کوئی دیوار ہو یا کوئی نقاب، چاہے کسی ذہن کو پڑھنا ہو یا کسی پوشیدہ مقام پر پہنچنا، وہ ہر جگہ پہنچ کر اس کا مشاہدہ کرسکتی تھی۔ بہرحال چونکہ میری رخصتی طے تھی اس لئے میں نے خیالات کا رخ اپنے خاندان کی طرف کردیا اور پھر فوراً ہی میں نے خود کو اپنے گھر میں پایا۔ بچے گہری نیند سو رہے تھے اور کوئی ہلچل مخل نہیں ہو رہی تھی۔ میری ماں اور بیوی فرش پر پڑی ہوئی تھیں ان کے چہرے سے رنج و افسوس اور رونے دھونے کی علامات عیاں تھیں۔ کل انکے مصائب کئی گنا بڑھ جائیں گے جب جنازے کو قبرستان لیجایا جائے گا تاکہ اسے دفن کیا جاسکے۔ میری روح ان کے اندر پہنچی، سر میں داخل ہوئی اور خواب کی صورت میں ان کے سامنے آگئی۔ میں نے دیکھا کہ دونوں دلوں میں غم و اندوہ بھرا ہوا ہے وہ سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ آخر ان سب پریشانیوں اور دکھوں کی کیا وجہ ہے؟ بہرحال کسی چیز نے میری توجہ اپنی جانب کرلی۔ میں نے دیکھا کہ ہر دو دلوں کی مجبوریوں کی سیاہی پر ایک سفید نکتہ سا ہے۔۔۔ اور میں اس سے واقف تھا۔۔۔ کیونکہ مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی۔۔۔ یہ نسیان کا جرثومہ تھا۔ اوہ، یہ جرثومہ بڑھے گا اور بڑھے گا یہاں تک کہ بڑھ کر پورے دل پر پھیل جائے گا۔ جی ہاں، میں نے یہ سب کچھ صاف طور

پر دیکھا، بغیر کسی قسم کی زحمت کے۔ اب میرے لیے کوئی بات مسئلہ نہیں رہی تھی۔ کسی بات میں کسی تکلیف کا سوال نہیں رہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ ایسا کب ہوگا؟ میری مافوق الفطرت آنکھوں نے مجھے مستقبل کی ایک تصویر دکھائی۔ میں نے دیکھا کہ میری ماں ایک جوان لڑکے کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے ایک ایسی سڑک سے گزر رہی ہے جس پر کافی بھیڑ بھاڑ ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کنول کا پھول ہے۔ میرے علم میں یہ بات آگئی کہ وہ غم کے عذاب سے باہر آگئی ہے۔۔۔ یا یہ کہ باہر آجائے گی۔۔۔ تاکہ گاؤں کی خوشیوں بھری تقریب میں حصہ لے سکے۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا اور میرا بیٹا قہقہے لگا رہا تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری بیوی بہترین کھانے تیار کر رہی ہے اور ایک شخص کو مدعو کر رکھا ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ اس کا کزن ہے "ساوو" (Sa-wu) اور وہ بہت ہی اچھا شوہر تھا۔ اگر مرے ہوئے لطف محسوس کر سکتے تو مجھے اس سے خوشی ہوتی۔ "ساوو" فنون لطیفہ سے متعلق شخص تھا، وہ میری بیوی اور بچوں کو خوشیاں فراہم کر رہا تھا، اس لئے وہ حقیقتاً ایک اچھا شخص تھا۔

اس کے ساتھ ہی میری روح نے میرا گھر چھوڑ دیا اور اچھے شہزادے کے محل کے قریب، رک گئی۔ میری روح شہزادے کے شعور میں داخل ہوئی تو اس سے ملاقات ہوگئی۔ جس نے میری تعریفیں کی تھیں اور انعامات سے نوازا تھا اور میری موت پر افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اس کا ذہن انتہائی مصروف تھا کہ میری جگہ کسی دوسرے شخص کا انتخاب کر سکے۔ میں نے اس کے حافظے میں موجود نئے امیدوار کا نام پڑھ لیا۔ وہ "ابرا" (ab-ra) تھا میرا ایک اچھا ماتحت، حالانکہ ہم دونوں میں کوئی بے تکلفی نہیں تھی۔

یہ سب ٹھیک تھا۔ لیکن آج گاؤں میں کیوں رہا جائے جب کہ فرعون، ہٹائٹس (Hittites) کے ایک وفد کا استقبال کرنے والا ہے جو مصالحت کی ایک امن دستاویز پر دستخط کرے گا؟ میں نے آنکھوں کی جھلک سے ممپس کو دیکھا جو چیخ پکار کر رہا ہے اور محل

اپنی شان و شوکت کے عروج پر ہے۔ بادشاہ، سفراء، راہبین، امراء اور جنرلز سب شاہی بال میں جمع ہیں۔ دنیا کے آقا ایک جگہ ملاقات کر رہے تھے۔ فتح مند بادشاہ عظیم بٹانئس کے نمائندوں سے گرم جوش خوش اخلاقی کے ساتھ محو کلام تھا۔ لیکن بادشاہ کے سینے میں حقارت اور استہزا ابھرا ہوا تھا اور اس کے ذہن میں ایک تاثر ابھرا۔ ''ناگزیر سے گریز نہیں کیا جاسکتا۔'' جہاں تک وفد کا تعلق ہے، اس کا دل نفرتوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے خیالات اس کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ ''اس وقت تک پرسکون رہو جب تک یہ طاقتور حکمراں مر نہیں جاتا۔''

میری آنکھیں ہر جگہ گھومتی رہیں۔ میں نے چہرے دیکھے، لباس دیکھے، دلوں کو دیکھا اور پیٹ کو دیکھا۔ میں نے دنیا کا بیرونی حصہ دیکھا، اندرونی حصہ دیکھا اور بغیر کسی رکاوٹ کے۔۔۔ مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی جب میں نے ان کھانوں اور شرابوں کا جائزہ لیا جو ان کے معدوں میں موجود تھیں یہاں تک کہ ایک راہب کے پیٹ میں پیاز اور لہسن تک موجود تھا۔ یہ دونوں چیزیں مسیحی کلیسا کے عملے کے لئے ممنوع تھیں۔ میں نے خود سے سوال کیا، تم نے دیکھا کہ متقی پرہیز گار لوگ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چپکے سے کیا کیا چیزیں کھاتے ہیں؟ ایک شریف آدمی کے معدے میں میں نے ایک ایسی بیماری دیکھی جو اس کی زندگی کو کسی وقت بھی ختم کرسکتی ہے۔ عین اس وقت وہ شخص ایک جنرل سے پرمسرت گفتگو کررہا تھا۔ میں نے اس سے اندرونی طور پر کہا۔ ''کیا تمہیں خوش آمدید کہا گیا!'' پھر میری نگاہیں گورنر پر پڑیں جو اپنے ظلم و جبر کے لئے مشہور تھا۔ اور اس درجہ کہ فرعون کو اس کی سرزنش کرنا پڑی کہ وہ صوبے میں میانہ روی رکھا کرے۔ میں نے بڑی توجہ سے اس کا جائزہ لیا اور دیکھا کہ اس کا جسم ناپائیدار اور اس کے ہاتھ پاؤں کمزور ہیں۔ اور وہ تواتر کے ساتھ اپنے دانتوں اور جوڑوں کی شکایت کرتا رہتا ہے۔ ہر بار درد اسے بے تاب کردیا کرتا ہے۔ اس کی آرزو ہے کہ اس کے جسم سے یہ انفکشن نکل جائے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ

اس کے ظلم و جور کی کیا وجہ ہے۔ وہ جس بدمعاش کو دیکھتا ہے تو بے رحمی سے اسے کیفر کردار تک پہنچادیتا ہے۔ گورنر کے بعد میں نے بڑے وزیر Mina کو دیکھا۔ وہ ایک ضدی انسان تھا جو امن کے نظریے سے اپنی پوری طاقت کے ساتھ لڑتا رہتا اور جنگ کے لئے احتجاج کیا کرتا تھا۔ کیا تم جانتے ہو کہ وزیر کی خطرناک ضد کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس کا دماغ دیکھا تو وہ روشن تھا لیکن پیٹ کمزور اور ناتواں تھا۔ چنانچہ اس کی خوراک کا ایک حصہ کافی دیر تک اس میں پھنسارہ جاتا ہے جس کی وجہ سے گردش کرنے والا خون متاثر ہوتا ہے اور اس طرح جب دماغ میں پہنچتا ہے تو وہ یکسر خراب ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کے منہ سے اس قسم کی شیطانیت نکلتی ہے۔ انسان اپنی رائے سے مطمئن ہوتا ہے یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ صحیح اور ٹھیک طرح راہنمائی کررہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کے دماغ میں اندھیرا اور تعفن ہے۔

اس کے بعد میری توجہ ان لوگوں کے سینے میں گئی جو وہاں موجود تھے۔ ان کے پوشیدہ کونوں میں اور ہنستے ہوئے چہروں کے پیچھے دیکھا۔ ان میں سے ایک سخت بور تھا، اس نے اپنے ساتھی سے سرگوشی کی۔ ''ہم اپنے محل کب واپس ہوں گے تاکہ طوائف کا گانا سن سکیں؟'' اور ایک دوسرا بڑبڑایا ''اگر آدمی اپنی بیماری کے سبب مرگیا ہوتا تو آج میں تیر اندازوں کا کمانڈر ہوتا۔'' اور ایک تیسرے نے ذہنی عذاب کے ساتھ سوچا۔ ''وہ پاگل کب اپنے انسپکشن کے دورے پر جائے گا، تاکہ میں اس کی خوبصورت بیوی سے مل سکوں جسے میں بہت چاہتا ہوں۔'' ایک شخص نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ دوست سے کہا۔ ''ایک انسان کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کا آخری وقت کب آئے گا۔'' اور ''آج کے بعد میں اپنے مقبرے کی تعمیر نہیں روکوں گا۔'' یا ''پھر پیسوں کا کیا مصرف؟'' ایک نے اپنی الجھن کا ذکر اپنے ساتھی سے کیا۔ ''اخنیتن نے کہا تھا کہ آقا Aton ہے جب کہ ہورمہب نے کہا کہ آقا Amon ہے۔ ایک اور فرقہ ہے جو Ra-so کی پوجا کرتا ہے۔ آقا نے ہمیں کیوں

اس جھگڑے میں ڈالا؟'' میں فرعون کی انتہائی شاندار پارٹی میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا کیونکہ میں کوفت کے ہاتھوں مغلوب ہو چکا تھا۔ میں وہاں سے رخصت ہوا تا کہ اس بہت بڑی دنیا میں کہیں اور جا سکوں۔

دنیا اور آسمان کے بہت سے مناظر میری آنکھوں کے سامنے سے گزرے۔ میں ان کے ضروری حقائق کو ذہن نشین کرتا گیا یہاں تک کہ میری نگاہیں ایک ایسے انڈے پر پڑیں جو رحم میں پرورش پا رہا تھا۔ میں نے اس کے گوشت اور ہڈیوں کو بنتے ہوئے دیکھا اور اس کی پیدائش بھی جب کہ میری نگاہیں اس کے ساتھ ساتھ اس کے مستقبل تک چلی گئیں۔ میں نے اس کا بچپن دیکھا، لڑکے کی حیثیت میں دیکھا، نوجوانی دیکھی، بھرپور آدمی کی شکل میں دیکھا، بڑھاپا دیکھا۔ اور مرنے کے بعد اس کی لاش دیکھی۔ میں نے اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات دیکھے، اس کی خوشیاں دیکھیں، اس کا ذہنی اور جسمانی آزار دیکھا، اس کا اطمینان اور آسودگی دیکھی، غصہ، امید اور مایوسی دیکھی، اس کی صحت، اس کی علامت، اس کے جذبات، اس کی بے لطفی دیکھی۔ میں نے یہ ساری چیزیں صرف ایک منٹ میں دیکھ ڈالیں۔ اس کے پیدائش کے بعد رونے سے لے کر اس کی موت کے وقت کی کراہ تک، سب کی سب میرے کانوں تک پہنچیں۔ مجھ پر متلون مزاجوں جیسی خواہش پیدا ہوئی کہ کھیلا جائے۔ میں بہت سے لوگوں کے ساتھ ان کی پوری عمر تک رہا یعنی پیدائش سے لے کر موت تک۔ میں نے ان کے مختلف ادوار سے خوب لطف اٹھایا جس میں وقت مشکل سے ہی لگا۔ یہاں ایک چہرہ ہنسا، اس کے بعد غضبناک ہوا، پھر بے تحاشا قہقہے اس کے بعد فکر و تشویش۔۔۔ سب کچھ ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں۔ یہ جوان خوبصورت عورت گھوم پھر رہی ہے، اس کے بعد محبت میں گرفتار ہوئی، شادی کی، امید سے ہوئی، بچے ہوئے، بڑھاپا آیا، مرجھائی اور دیکھنے کے قابل نہ رہی اور یہ سب مناظر انتہائی مختصر سے وقت میں دکھائی دیے۔ وفاداری اور دھوکے بازی ایک ساتھ نہیں چلتی۔ یہ اور دوسری بہت

سی چیزیں مل کر زندگی کو مضحکہ خیز بنا دیتی ہیں۔۔۔اگر مرے ہوئے ہنس سکتے تو میں ہنس ہنس کر پاگل ہو جاتا۔ یہ ساری چیزیں دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ دنیا میں حقیقت یا سچائی نام کی کوئی چیز نہیں سوائے تبدیلی کے۔ میری روح کی خواہش ہے کہ یہ سب لوگ اور ان کی غیر معقول زندگی میری بصارت سے دور ہو جائیں۔ میری نگاہ میں اس کی کوئی حیثیت کوئی وقعت نہیں، وہ بس جانوروں کا ایک ریوڑ ہے اور کچھ نہیں۔ ان کے خاکے ختم ہو گئے، ان کی شکل و شباہت اڑ گئی اور ان کے درمیان موجود امتیاز پوشیدگی میں چلا گیا۔ وہ سب پتھر جیسے ہو گئے، خاموش اور ساکت جن میں نہ زندگی تھی اور نہ کوئی حرکت، میں انہیں صدمے اور حیرانی سے دیکھنے لگا، جس میں آہستگی کے ساتھ کمی واقع ہوئی اور پھر ایک نیا پہلو سامنے آیا جو پہلے پوشیدہ تھا۔

میں نے یہ خاموش تاریکی دیکھی جس نے ساری روشنیوں کے حلقوں کو پھونک کر رکھ دیا، جیسے ہر ایک دماغ میں اڑی ہوئی روشنی تھرا رہی ہو وہ کمزور بلکہ خاتمے کے قریب ہو، سب ایک دوسرے سے منسلک ہیں جیسے کوئی طاقتور خیال خیرہ کن تابانی سے پر ہو۔ میں نے تابناکی میں سچائی کو چمکتے ہوئے دیکھا، ایک خالص بھلائی اور ایک ضیا بار حسن چنانچہ میری حیرانی اور سراسیمگی واپس آ گئی۔

اے مولا، روح کو اذیتوں اور مسائل سے کیوں نہ گزرنا ہو۔ یہ اس کی تلاش میں جا رہی ہے۔ اے مولا، ٹاٹائے نے بہت خوبصورت چیزیں دیکھیں اور اس سے بھی زیادہ حسین اور ہیبت ناک چیزیں دیکھے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ روشنی جس سے میں سیراب ہوں وہ آخرت کی محض جھلک ہے جہاں مجھے جانا ہے۔ میں نے دنیا کو چھوڑ کر دوسری طرف دیکھا اور خود کو دوبارہ اسی مقدس کمرے میں پایا جس میں لاش کو حنوط کیا جاتا ہے۔۔۔ اس کے ساتھ ہی میری روح دیوتائی سرمستی میں اس طرح شرابور ہوئی جس کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔

ستر دنوں کا حنوطی عمل مکمل ہوا۔ لوگ دوبارہ آئے۔ انہوں نے میرے مردہ جسم کو نکالا اور اس پر کپڑا لپیٹنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ تابوت لائے تھے جس پر ماناے کی نوجوانی کی ایک تصویر بھی کندہ تھی۔ انہوں نے مردہ جسم کو اس کے اندر رکھا۔ پھر تابوت کو انہوں نے کندھوں پر رکھا اور کمرے سے باہر لائے جہاں میرے خاندان کے لوگ اور پڑوسی موجود تھے، انہوں نے اپنے چہرے کو پیٹتے ہوئے لمبی آہ کھینچی۔ ان کی چیخ پکار اس دن سے زیادہ تیز تھی جس دن میری موت کا اعلان ہوا تھا۔ وہ سب تابوت کے ساتھ دریائے نیل پہنچے اور ایک بڑی کشتی پر سوار ہوگئے جو مغربی کنارے پر واقع شہر خموشاں کی جانب بڑھ گئی۔ وہاں پہنچ کر وہ آہ و بکا کرتے ہوئے کشتی کو کھینچ کر ساحل پر لے جانے لگے۔ ''میرے آنسو خشک نہیں ہوں گے، تمہارے بعد میرے دل کو کبھی سکون نہیں ملے گا ناناے۔'' اس وقت میری بیوی بلند آواز سے بین کرنے لگی۔ ''او، میرے سرتاج، تمہارے بغیر مجھے زندگی نامنظور ہے؟''

شہزادے کے محل کے منتظم نے کہا۔ ''او، عظیم رائٹر ناناے، تم نے اپنی جگہ کو خالی چھوڑ دیا جو کبھی نہیں بھر سکتی۔''

بہت دیر تک میں ان آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا جو اپنا ماضی بھول چکی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہ رہا ہو اور نہ ان لوگوں سے۔ کشتی کو کھینچ کر ساحل پر لایا گیا اور ان لوگوں نے تابوت کو ایک بار پھر اٹھایا۔ اور قبرستان کی جانب چلنے لگے، وہاں لاکر انہوں نے طے شدہ مقام پر رکھ دیا۔ اس دوران راہبوں کا بینڈ Book of the Dead سے آیات کو لحن سے پڑھتا رہا۔ جس میں مجھ سے کہا جارہا تھا کہ میں دوسری زندگی میں اپنا رویہ کیسا رکھوں۔ اس کے بعد سب لوگ ایک ایک کرکے وہاں سے جانے لگے اور قبرستان پر ویرانی چھا گئی۔ اب وہاں کوئی ایسی آواز نہیں تھی جسے سنا جاسکے، ہاں فاصلے سے آتی ہوئی ماتمی آواز ضرور تھی۔ سارے دروازے بند کرنے کے بعد اس پر مٹی ڈالی جاچکی تھی۔ اس طرح اس دنیا سے تمام رشتے ٹوٹ گئے جسے میں نے خدا حافظ کہا اور وہ دنیا جس

کے بارے میں میں نے اظہار خیال کیا۔۔۔

نوٹ:

یہاں ہیرو غلیفی (علامتی) تحریر کا اختتام ہوتا ہے۔ شاید انتظار کا عرصہ، جس کے متعلق رائٹر نے ابتدا میں ذکر کیا ہے وہ ختم ہوگیا اور اس کا بقائے دوام کی جانب سفر شروع ہوگیا۔ جہاں اسے اس کا بہت پیارا قلم اپنے دوسرے ساز و سامان کے ساتھ دوبارہ مل جائے گا۔

فرہنگ

Al-Arna'uti (الارنایوتی) عربی میں The Albanion، یہ سلسلۂ نسب کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس دور کے پشت در پشت حکمراں محمد علی کو عثمانیہ دور میں مصر کا حاکم مقرر کیا گیا تھا یہ سن 1805ء تھا۔ مصر کی زیادہ تر اشرافیہ ترکی اور البانیہ کا مرکب تھی۔ ''لاش کی بیداری'' میں جس پاشا کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا تعلق بہت حد تک محمد محمود بے خلیل (1877-1953ء) سے ہوسکتا ہے، وہ ایک انتہائی امیر وکبیر شخص تھا، جو فرانس کا دلدادہ اور آرٹ کے نادر نمونے جمع کیا کرتا تھا۔ اس پر 1930ء میں مصری پریس نے الزام لگایا کہ وہ اپنی پرائیوٹ گیلری، جس میں فرانس کے نادر نمونے ہیں وہ Louvre کو وصیت کے ذریعے فراہم کرنا چاہتا ہے۔ آج کل وہ نادر پینٹنگز اور دیگر نایاب آرٹ کے نمونے اس کے سابقہ محل واقع Giza کے میوزیم میں اس کے نام کے ساتھ موجود ہیں۔

Aswan: ایک شہر جو نیل کے قریب آبشار کے پاس بالائی مصر (جنوبا) میں واقع تھا۔ محفوظ نے یہاں فرعون کے دور کے مصری نام ''ابو'' استعمال کیا ہے (حقیقتاً اسوان کا بے ہنگم جزیرہ) جو ملک کے انتہائی جنوب میں قدیم نوبیا کی سرحد پر واقع فوجی چوکی تھی۔ تاریخی طور پر فرعون یوسرکف کا کیپٹل Mennufer(Memphis) میں تھا جو آج کل کے قاہرہ بلکہ اسوان کے قریب ہوسکتا ہے۔ جب کہ پرانے بادشاہوں کے احوال میں جو

پتھروں پر درج ہے، سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی رہائش ابو میں تھی۔ اس کا واحد اہرام جواب روڑی کنکر میں تبدیل ہو چکا ہے۔۔۔ اس کو وہیں قریب میں تعمیر کیا گیا تھا، اسوان کی بجائے شمالی Saqqara میں۔

Broad Beans کو Horse Beans بھی کہا جاتا ہے (عربی میں اسے Ful کہتے ہیں) یہ مصریوں کی خوراک کا لازمی جز ہے۔

Fuad-1 University بادشاہ احمد فود۔ا (.1917-36) کے نام پر قائم کی گئی ہے۔ جو شہزادگی کے دور میں اسے قائم کرنے والوں میں سے ایک تھا (.1908)۔ اس ادارے کا نام .1952 میں تبدیل کرنے کے بعد قاہرہ یونیورسٹی رکھ دیا گیا۔ نجیب محفوظ نے .1934 (ان دنوں اسے مصری یونیورسٹی کہا جاتا تھا) میں یہیں سے فلسفے میں گریجویشن کی ڈگری لی تھی۔ انہوں نے اس کے بعد پوسٹ گریجویشن کیا اور اسکول ایڈمنسٹریشن میں .1939 تک خدمات انجام دیں۔ اس دوران وہ کبھی کبھی Egyptology پر لیکچر بھی سنتا رہا۔ لیکچر دینے والوں میں پروفیسر Etienne Marie-Felix (.1889-1961) بھی ہوا کرتے تھے، اس وقت وہ Egypt's Department of Antiquitics کے ہیڈ تھے۔ ''ممی کی بیداری'' میں پروفیسر ڈورین نے اسی کا حوالہ دیا ہے۔

ka: فرعونی دور میں لوگوں کو یقین تھا کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کی روح مرنے والے کے پاس آتی رہتی ہے۔ مرنے والے کی ka یعنی روح یا آتما چڑیے کی شکل میں ہوتی ہے۔ عام طور پر سنگی مجسموں کی شکل میں ممیوں پر بیٹھا دکھایا جاتا ہے۔ غالباً یہ ''ہورز'' کی ba تھی نہ کہ ka جو چڑیے کی شکل میں تھی۔ قدیم مذاہب کے مطابق عام طور پر ka

قبر میں چڑھ آنے والوں سے انتقام لینے کے لئے آتی ہے۔ The Mummy Awakens میں یہی مناسب دکھائی دیتا ہے۔

Khnum: انسانی شبیہہ جس کا سر مینڈھے کا، خنم ہاتھی جیسا ایک دیوتا تھا اور ان کے اعتقاد کے مطابق اسی نے دنیا تخلیق کی تھی۔ (نعوذ باللہ)

Punt: ایک مقدس سرزمین جو قدیم مصریوں کے مطابق "God's Land" تھی۔ پنٹ شاید بحراحمر کے کنارے، مشرقی سوڈان یا اتھوپیا یا پھر شمالی سومالیہ کے قریب واقع تھا۔ بظاہر مصریوں نے، چوتھے نسبی دور (ca 2649.2513 bc) میں وہاں کا سفر شروع کیا تھا۔

Qadesh: دریائے Orontes کے قریب، آج کل شام کا علاقہ جو اس دور میں اپنے مخالفین کے مقابلے میں Hittites کے لئے بنیادی مورچے کا کام دیا کرتا تھا۔ اور ان کے مخالفین میں مصری شامل تھے۔

sa'idi: بالائی مصر کے لوگ۔ ملک کے جنوبی حصے --- جہاں سے دریائے نیل شمال کے نشیبی علاقے کو سیراب کرتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے --- اسے al-sa'id کہتے ہیں۔ یعنی وہ سرزمین جو بلند مقام پر ہے۔ "The Elevated land" جسمانی طور پر sa'idis قدیم مصریوں سے ملتے جلتے ہیں۔

Zahi: اسے sahi یا Djahi بھی کہتے ہیں۔ قدیم مصر میں اس سے مراد وہ علاقہ لیا جاتا ہے جو آج کل اسرائیل، فلسطین اور شام کہلاتا ہے بلکہ عراق کا کچھ علاقہ بھی۔

مترجم کی دوسری کتابیں

1	اینمل فارم	جارج آرویل
2	چارلس ڈارون کی خودنوشت	چارلس ڈارون
3	خوش رہنے کا فن	دلائی لامہ
4	تساوو کے آدم خور	کرنل جے ایچ پٹرسن
5	عام سے لوگ	نجیب محفوظ
6	چور اور کتے	نجیب محفوظ
7	حضرت سلیمان کا خزانہ	رائیڈر ہیگرڈ
8	گرور جنیش	وسنت جوشی
9	دام فریب	جیمز ہیڈلے چیز
10	جین ڈکسن	جین ڈکسن
11	چھٹکارا	ژاں پال سارتر
12	الکیمسٹ	پاؤلو کوئیلھو
13	ویرونیکا کی خودکشی	پاؤلو کوئیلھو
14	عظیم وراثت	چارلس ڈکنز
15	شیکسپر کہانیاں	ولیم شیکسپیئر
16	عقل وشعور	اوشو
17	ولکیریز	پاؤلو کوئیلھو
18	شکنجہ	جیمز ہیڈلے چیز
19	انمول موتی	جان اسٹینبک